وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (العمران)

"اور سب کے سب اللہ کے عہد کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ نہ کرو" (۱۰۳:۳)

اِسلام میں کوئی فِرقہ نہیں

خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم امام مسجد ووکنگ (لندن)

دار الاشاعت کتب اسلامیہ بمبئی
۱۷۔ مولانا آزاد روڈ جیکب سرکل بمبئی ۴۰۰۰۱۱

www.aaiil.org

الحاج خواجہ کمال الدین بانی ووکنگ مسلم مشن (انگلستان)

حضرت الحاج خواجہ کمال الدین ۱۸۷۰ میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا حضرت خلیفہ عبدالرشید لاہور کے مشہور شاعر اور قاضی تھے۔ آپ نے فورمین کرسچین کالج سے ۱۸۹۳ء میں بی اے پاس کیا اور اکنامکس میں گولڈ میڈل حاصل کیا اسلامیہ کالج لاہور میں لیکچرار اور پھر پرنسپل کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ ۱۸۹۸ء میں آپ نے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی اور پشاور میں وکالت شروع کی۔ اسی دوران برصغیر پاک و ہند کا دورہ فرمایا اور اسلام پر لیکچر دیئے آپ نے علیگڑھ یونیورسٹی کے مالی استحکام کے لئے بھی متعدد دورے کئے۔ ان خدمات کے صلہ میں آپ کو علیگڑھ یونیورسٹی کا فیلو بنا دیا گیا۔ آپ اِس یونیورسٹی بورڈ آف ٹرسٹیز کے ممبر بھی رہے۔ اسلام کے لئے درد اور تڑپ نے آپ کو برِصغیر میں متعارف کرایا۔

۱۹۱۲ء میں تبلیغ اسلام کے لئے آپ انگلستان تشریف لے گئے اور مختلف ثقافتی جماعتوں میں اسلامی تعلیمات پر روشنی ڈالی۔ اہلِ مغرب کو اسلامی تعلیمات سے متعارف کرانے اور اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف غلط فہمیوں اور اعتراضات کو دور کرنے کے لئے ۱۹۱۳ء میں ایک انگریزی ماہنامہ اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا کے نام سے جاری کیا۔ اس رسالہ میں اسلام کے متعلق مضامین کے علاوہ مسلمانوں کے سیاسی اور تمدنی حالات و کوائف بھی شائع ہوئے انگلستان میں بیٹھے ہوئے بھی خواجہ صاحب ہندوستان کے مسلمانوں کی مشکلات سے بے پروانہ ہوئے اور گاہے گاہے ان کی رہنمائی کرتے رہے۔ چنانچہ ۱۸ فروری ۱۹۱۳ء میں خواجہ صاحب نے آل انڈیا مسلم لیگ کے لکھنؤ کے اجلاس کے لئے انگریزی میں ایک خط لکھا جس میں انگریزوں کے ذہن میں ہندوستانی مسلمانوں کے لئے خصوصاً اور دوسرے مسلمانوں کے خلاف عموماً حد درجہ کی نفرت اور تعصب کا بالتفصیل ذکر کیا اُس وقت خواجہ صاحب کا دفتر ۱۵۸ فلیٹ سٹریٹ لندن میں تھا۔ انہی ایام میں سب سے پہلے قبولِ اسلام کرنے والی سعید روح ایک خاتون تھیں جن کا نام مسز دا ایولٹ ابراہیم تھا۔ جولائی ۱۹۱۳ء میں آپ نے کانگریس آف ریلیجس پروگریس کے

چھٹے بین الاقوامی اجلاس منعقدہ پیرس میں شرکت فرمائی۔ ووکنگ سرے میں ڈاکٹر جی ڈبلیو لائٹنر نے بیگم بھوپال اور دوسرے مسلمان امراء کے عطیات سے ایک مسجد تعمیر کی اور اس کے ساتھ ایک رہائشی مکان بنوایا تھا۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم اورینٹل انسٹی ٹیوٹ ووکنگ کے نام سے کئی بلند پایہ کتابیں بھی شائع کرتے رہے۔ یہ مسجد ڈاکٹر صاحب کی موت کے بعد سے بند پڑی تھی۔ خواجہ صاحب مرحوم نے سر عباس علی بیگ اور سید امیر علی مرحوم کی مدد سے یہ مسجد اور اس سے ملحقہ جائداد کا ایک ٹرسٹ قائم کیا۔ اور ۱۲ راگست ۱۹۱۳ میں پہلی مرتبہ وہاں نمازوں کا سلسلہ جاری ہوا۔

۱۰ر دسمبر ۱۹۱۳ء کو لارڈ ہیڈلے نے جب اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ تو عیسائی دنیا میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ دسمبر ۱۹۱۳ء تک کپتان سٹینلے سگر ہا، وائیکونٹ کاٹیڈیوٹیز نوبل مین یورکیوچ، لیڈی کیو بولڈ، مسز فلورڈ خواتین جیسی نامور ہستیاں اسلام قبول کر چکی تھیں۔ دو سال کے قلیل عرصہ میں اسلام قبول کرنیوالوں کی تعداد ایک سو دس تک پہنچ چکی تھی۔ جون ۱۹۱۴ء میں آپ ہندوستان واپس آگئے اور دو سال تک یہیں رہے۔ اور مرکزی دفتر کے قیام اور مالی وسائل کے لئے کوشاں رہے۔ ۱۹۱۶ء میں آپ پھر انگلستان تشریف لے گئے۔ مارچ ۱۹۱۹ء میں آپ سخت بیمار ہو گئے۔ اور ڈاکٹروں کے مشورہ کے مطابق آپ ہندوستان واپس تشریف لے آئے۔ جنوری ۱۹۲۰ء میں ہندوستان کے مختلف مقامات کا دورہ کیا۔ فروری ۱۹۲۰ء میں آپ مدراس گئے اور متعدد جلسوں سے خطاب کیا۔ ستمبر ۱۹۲۰ء میں آپ نے رنگون، برہما اور رجا واکا دورہ شروع کیا۔ ۲۲ نومبر ۱۹۲۱ء کو انگلستان پہنچے۔ مئی ۱۹۲۳ء میں لیگ آف نیشنز یونین انگلستان کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۲۳ر جون ۱۹۲۳ء میں لارڈ ہیڈلے الفاروق کے ساتھ حج بیت اللہ کے لئے انگلستان سے روانہ ہوئے۔ ۵ر جولائی ۱۹۲۳ء کو اسکندریہ پہنچے۔ ان کے اور لارڈ ہیڈلے کے اعزاز میں متعدد اجلاس منعقد ہوئے جن میں آپ نے بھی تقاریر فرمائیں۔

۸ر اکتوبر ۱۹۲۳ء کو لارڈ ہیڈلے کی معیت میں ہندوستان پہنچے اور سارے ہندوستان کا دورہ کیا اگست ۱۹۲۴ء کو بمبئی میں ہندو مسلم اتحاد کے سلسلہ میں متعدد جلسوں سے خطاب کیا۔ نومبر ۱۹۲۴ء میں علیگڑھ یونیورسٹی میں مسلمان نوجوانوں کو اسلام پر متعدد لیکچر دیئے۔ اگست ۱۹۲۵ء میں پھر انگلستان تشریف لے گئے۔ فروری ۱۹۲۶ء میں لارڈ ہیڈلے کے ساتھ افریقہ کے دورے پر گئے اور ستمبر تک مشرقی اور

جنوبی افریقہ میں اسلام پر تقاریر کیں۔ اور پادری زویمر جیسے دشمن اسلام کے پھیلائے ہوئے زہر کا تریاق بنے۔ ۶ ستمبر ۱۹۲۶ء کو آپ ہندوستان واپس آگئے۔ مارچ ۱۹۲۷ء میں مسلمانانِ ہند کی ذہنی اور سیاسی الجھنوں کا آپ کو شدید احساس ہوا اور اردو ماہنامہ اشاعتِ اسلام جس میں صرف اسلامک ریویو کے مضامین کا اردو ترجمہ شائع ہوا کرتا تھا۔ ان مسائل پر بھی مضامین لکھنے شروع کئے۔ افریقہ سے واپسی پر آپ کی صحت زیادہ گر گئی تھی۔ دو مرتبہ آپ کو ڈاکٹروں کے مشورہ پر کشمیر جانا پڑا، لیکن صحت کی خرابی کے باوجود آپ نے متعدد مضامین سپردِ قلم فرمائے اور تفسیر قرآن کے کام کو بھی جاری رکھا یہ مضامین جنوری ۱۹۳۲ء سے اشاعتِ اسلام میں شائع ہونے شروع ہوئے۔ دسمبر ۱۹۳۲ء میں آپ نے سورۃ فاتحہ کی نہایت فصیح و تبلیغ تفسیر لکھنی شروع کی اور ۲۸ دسمبر ۱۹۳۲ء کو اپنی وفات سے چند لمحات پہلے اس کو مکمل کر دیا۔

حضرت خواجہ کمال الدین کے متعلق مارماڈیوک پکتھال لکھتے ہیں :-

"مجھے وہ دن بخوبی یاد ہیں جب میں نے انہیں (خواجہ کمال الدین) علیٰ عنفوان شباب میں انگلستان کی سرزمین پر دیکھا اور جو تاثر انہوں نے اپنے ملنے والوں پر چھوڑا ہے اُسے میں اب بھی محسوس کرتا ہوں میں انہیں مشنری کی حیثیت سے یاد نہیں کرتا ـــــ کیونکہ لفظ مشنری کی وابستگیاں بہت گھٹیا ہیں ـــــ بلکہ میں انہیں پیغامبر اسلام کی حیثیت میں یاد کرتا ہوں۔ ناسازگاری طبع کے باعث ان کی مراجعت ہند انگلستان میں تبلیغ اسلام پر وہ خطرناک دھکا تھا جس سے وہ ابھی تک سنبھل نہیں سکی۔

مجھے اُن سے بعض مسائل میں اختلاف تھا۔ جس کو میں اب اہم نہیں سمجھتا، لیکن میں ان کو ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھتا رہا۔ اور اب جو میں ان کی زندگی کے اس عظیم کام کو دیکھتا ہوں جو وہ اپنے پیچھے چھوڑ گئے ہیں، تو میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ کوئی بھی زندہ انسان اس وقت ایسا نہیں جس نے اسلام کی ایسی درخشاں اور مسلسل خدمت سرانجام دی ہو۔"

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا

مافی الضمیر

الٓرٰ کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ اِلَیۡکَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ اِلٰی صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ (ابراہیم ۱۴: ۱)

"یہ کتاب اس لئے نازل ہوئی ہے کہ انسان کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے آوے۔ اور اس رب کے حکم سے عزیز اور حمید خدا کے رستے کی طرف لے جائے۔"

آج ہم مسلمانوں پر ایک مصیبت کا وقت ہے آج ہم اندھیرے میں منڈلا رہے ہیں آج ہماری عزت ذلت میں بدل گئی۔ حمد و ستائش کی بجائے آج گھر گھر ہم بدتعریفی سے یاد کئے جاتے ہیں۔ ہاں یہ بھی غنیمت ہے کہ ہمیں اپنی حالت کا احساس ہو گیا ہے۔ ہم ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ کہ اس قعرِ مذلت سے کسی طرح نکل جائیں۔ ترکِ موالات۔ عدم تعاون۔ مہاجرت خلافت یہ سب اسی ایک غرض کا علاج سوچے گئے ہیں۔ ان کے نتائج خواہ کچھ ہی ہوں۔ یہ سب باتیں نہ تو کسی غیر مسلم کو تکلیف دینے کی غرض سے ہیں۔ نہ ان کے حامیان و مجوزان کی کسی سوءِ نیت یا بدارادہ کیطرف اشارہ کرتی ہیں۔ مسلم کا دل اس وقت پژمردہ اور مصائب کا شکار ہو رہا ہے۔ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق ہمارا نقشہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان باتوں کا نتیجہ ہمارے حق میں مفید ہو گا یا غیر مفید لیکن جو کچھ ہو رہا ہے میری رائے میں نیک نیتی سے ہوتا ہے۔

اس وقت میں اپنے بھائیوں کو قرآن کریم کے مذکورہ بالا مژدہ کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔ جب قرآن مجید اس آیت میں ارشاد فرما رہا ہے کہ اس میں مصیبت و ظلمت سے نکلنے کا علاج ہے وہ ہمیں ایسی راہ دکھلا سکتا ہے۔ جس سے ہم کھوئی ہوئی عزت اور گئی ہوئی ستائش حاصل کر سکیں تو ہمارے لیڈروں کا فرضِ اولیں یہ ہے کہ وہ جو قدم اُٹھائیں وہ قرآن کی روشنی میں ہو کونسی مصیبت۔ کونسی مرض ہے۔ جس کا علاج کتابِ حمید میں نہیں۔ کوئی سیاسی۔ اقتصادی اخلاقی۔ منزلی۔ مالی مسئلہ ہے

کہ جس کا حل بوجہ احسن قرآن مجید میں موجود نہ ہو۔ مسلمانو! تمہارے سامنے خواہ مسئلہ ہجرت ہو یا عدم تعاون۔ الغرض جو کچھ بھی ہو خدارا ان تمام معاملات میں قرآن شریف کو اپنا ہادی بناؤ۔ پھر فتح و نصرت ہم سے دور نہ ہوگی۔

میرے سامنے جو میدان ہے اس میں سیاسیات نہیں اور نہ میں سیاسی امور کی اہلیت رکھتا ہوں۔ لیکن پہلو میں دل ہے۔ پتھر نہیں کہ اس پر واقعات حاضرہ اثر نہ کریں۔ قوم کی بہتری اور فلاح جہاں سیاسی تدابیر چاہتی ہے۔ وہاں چند اور امراض بھی ہیں۔ جو ہمیں اندر ہی اندر کھا رہی ہیں۔ انہوں نے اندر ہی اندر ہمیں اس قدر تباہ کر دیا ہے کہ جب تک ان کا سد باب نہ ہوگا۔ ہماری کل سیاسی کوششیں رائیگاں ہوں گی۔ ان امراض مزمنہ میں سے ایک بیماری ہماری فرقہ بندی کے تنازعے ہیں۔ جس کے دفعیہ کے لئے ایک ادنےٰ کوشش ان اوراق میں کی گئی ہے۔ اس کے بعد میں انشاء اللہ العزیز اور رسالے بھی دیگر امور متعلقہ پر لکھوں گا۔ جو اصحاب میری اس کوشش کو پسند کریں۔ ان کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ اس کتاب کی اشاعت کثرت سے کر کے عند اللہ ماجور ہوں

میں اس کتاب کے بعد اسی سلسلہ میں جو کتابیں لکھنا چاہتا ہوں۔ اس میں دوسری کتاب **مہاجرت** اور **عدم تعاون** ہوگی۔ اور تیسری کتاب **قوت عمل**۔ نشاط باغ کشمیر مورخہ ۱۲ جولائی ۱۹۲۰ء

خواجہ کمال الدین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اسلام میں کوئی فرقہ نہیں

آج کے دن ٹھیک سات سال ہوئے جب میں پیرس میں ایک مذہبی کانفرنس کے سامنے اسلام کی خصوصیات پر تقریر کر رہا تھا۔ اِس مجلس نے کل علماءِ مغرب کو تحقیق مذہب کے لئے فرانس میں جمع کیا تھا اس کے مقاصد نہایت اہم اور نتیجہ خیز تھے۔ بدقسمتی سے آتش جنگ نے عین اس وقت اسے بھسم کر دیا۔ جب کل دنیا کو کسی ایک حقیقی مذہب پر جمع کرنا چاہتے تھے۔ اس مجلس کا مقصد عظیم یہ تھا۔ کہ یا تو مروّجہ مذاہب میں سے صحیح مذہب کا انتخاب کیا جائے یا کسی مذہب حقہ کے صحیح اصول تلاش کر کے کسی جامع مذہب کی بنیاد ڈالی جائے۔

میرے سودا کے لئے یہ مجلس کچھ کم دلچسپی اپنے اندر نہ رکھتی تھی۔ میں تو بلا دعوت بھی پہنچ جاتا لیکن سکریٹری کانفرنس نے مجھے بطور مہمان کانفرنس شمولیت کے لئے دعوت دی۔ چنانچہ میں دو دن پہلے پیرس پہنچا۔ منتظمانِ جلسہ کے استفسار پر میں نے اپنی تقریر کے لئے آخری دن تجویز کیا۔ میرا مقصد یہ تھا۔ کہ اوّل میں ان فضلاءِ دہر کی باتیں سُن کر وہ امور اخذ کر لوں۔ جو مغربی فضیلت و تحقیق کے نزدیک کسی مذہبِ حقہ کے مابہ الامتیاز ہو سکتے تھے۔ تاکہ اگر وہی باتیں یا ان سے بہتر اسلام میں ہوں تو میں انہیں پتہ دوں کہ جن باتوں کی تلاش نے انہیں وہاں جمع کر رکھا ہے۔ وہ تیرہ سو برس سے قرآن کریم میں موجود ہیں۔ میری حیرت و استعجاب کی کوئی حد نہ تھی۔ جب میں نے ان محققانِ زمانہ کو صحیح مذہب کا معیار وہ باتیں ٹھہراتے دیکھا جو دراصل اسلام کی امتیازی خوبیاں ہیں۔ میں یہاں اس امر کو بیان کرنا خارج از بحث سمجھتا ہوں کہ میری تقریر نے میرے سامعین کو کہاں تک گرویدہ کیا۔ اسی قدر کہنا کافی ہوگا۔ کہ ۲۱ جولائی ۱۹۱۳ء کو جب پیرس سے ۱۳ میل کے فاصلے پر ایک قدیمی شاہی محل میں مہمانانِ کانفرنس کو ایک پارٹی دی گئی تو ساٹھ کے قریب مختلف علماءِ مغرب نے مجھ سے بغرض

تعارف تبادلہ کارڈ کیا۔ اور میری تقریر کے مختلف پہلوؤں پر مجھ سے گفتگو کرتے رہے۔

یہ امر تو ظاہر ہے کہ یہ اکابرین دہر مروجہ مذہب مغرب سے بیزار ہو چکے تھے۔ ان کا یہ کانفرنس کرنا ہی اس بات کی شہادت دے رہا تھا۔ ان میں یونیورسٹیوں کے پروفیسر مغربی فلسفہ، آلہیات کے ڈاکٹر اور مسیحی کلیسا کے کئی ایک اُسقف بھی تھے۔ انہوں نے وہ وجوہ بھی بتلائے۔ جو مذہب کلیسا سے ان کی بیزاری کا موجب تھے۔ ایک بات جو میں نے قریبًا ہر ایک ایسی تقریر میں سنی وہ اس فرقہ بندی سے بیزاری تھی۔ جس نے آج عیسائیت کو تقریبًا پانچسو شاخوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ گوتنجن GOTENGEN (جرمنی) یونیورسٹی کے پروفیسر نے اپنی تقریر میں یہ کہا کہ موجودہ عیسائیت کے بطلان کے لئے یہ فرقہ بندی کافی ہے۔ وہ کہنے لگے کہ صداقت ذو دجہیں نہیں ہو سکتی صداقت ایک ہی پہلو رکھتی ہے۔ اگر کسی مذہب میں ایک سے زیادہ ایسی جماعتیں ہوں جو اصولًا ایک دوسرے سے اختلاف رکھتی ہوں۔ یعنی اس کے ماتحت مختلف فرقہ جات ایسے امور میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھیں۔ جن کا ماننا جزوِ ایمان ہے تو وہ مذہب بہت ہی کم اپنے اندر صداقت رکھتا ہے۔ اس تقریر کی تائید میں ایک اور جرمن کے پروفیسر نے یہاں تک کہہ دیا کہ مذہب کلیسا مغرب میں ایک بڑی لعنت ہے۔ اور وہ لعنت اس کے اندر فرقہ بندی ہے۔ میں یہ باتیں سُن کر دل ہی دل میں حیران تھا کہ مولے کریم اگر تیرے مذہب اسلام میں بھی فی الواقع فرقے ہیں جیسے آج کل کے مسلمان سمجھ رہے ہیں۔ تو میں جو تبلیغ اسلام کے لئے یورپ میں آیا ہوں۔ اور عنقریب ان ہی علماء کو اسلام کی طرف بلانا چاہتا ہوں۔ کیا میں انہیں اس لعنت کی طرف دعوت دوں۔ جس سے آج اس جلسہ میں یہ لوگ بیزاری ظاہر کر رہے ہیں۔ کیا میں اس فرانس کے پلیٹ فارم پر کھڑا ہو کر یہ کہوں کہ حضرات جس لعنت پر آپ تبرا کر رہے ہیں وہ ہماری بھی مایہ ناز ہے۔

اوائل عمر سے مجھے ان فرقہ بندیوں سے نفرت رہی اور وہ خصوصی باتیں جو میں نے مجدد وقت اعلیحضرت مرزا صاحب کی شاگردی میں سیکھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ اسلام میں جو نام نہاد فرقے ہیں۔ ان میں کوئی اصولی اختلاف نہیں۔

اعلیحضرت مرزا صاحب جب سنہ ۱۹۰۴ء میں سیالکوٹ تشریف لے جا رہے تھے۔ اور انہیں

وزیر آباد کے ریلوے سٹیشن پر ایک عیسائی پادری سکاٹ سے کچھ گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا جو ذیل میں دی جاتی ہے جس سے امور بالا پر روشنی پڑتی ہے۔

پادری سکاٹ:۔ آپ لوگوں میں تو بہت سے فرقے ہیں۔

حضرت اقدس:۔ مجھے تعجب ہے کہ آپ اسلام پر یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ عیسائیوں میں کس قدر فرقے ہیں۔ جو ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں. اور اصولوں میں بھی متفق نہیں۔ مسلمانوں کے فرقوں میں اگر کوئی اختلاف ہے۔ تو فروعات اور جزئیات میں ہے۔ اصول سب کے ایک ہی ہیں۔

اس لیے ان اسلامی فرقوں کو فرقہ کہنا ہی غلطی ہے۔ اور خدا کا احسان ہے کہ جس لعنت کا شاکی آج یورپ اور امریکہ ہے۔ اس سے اسلام پاک ہے۔ یہی میرا مذہب ہے۔ اس بناء پر میں نے کئی دفعہ علی الاعلان بیان کیا ہے کہ اسلام میں کوئی فرقہ نہیں۔ اور جو مفروضہ فرقے ہیں۔ ان کا غیر مذاہب اور بالخصوص مغربی اقوام کے سامنے ذکر کرنا اسلام کے حق میں سم قاتل ہے۔

میں نے ابھی ذکر کیا ہے کہ کانفرنس پیرس کے خاتمہ کے تیسرے دن ہم مہمانان کانفرنس واعیانِ کانفرنس کی طرف سے ایک پارٹی میں مدعو کیے گئے جو ہمارے اعزاز میں انہوں نے دکی ہمارے لیے سپیشل ٹرین کا انتظام کیا گیا۔ جس پر سوار ہو کے ہم نے ایک شیٹو (وہی محل) میں جانا تھا۔ جب میں سٹیشن پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ میں چاروں طرف عزت اور محبت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہوں۔ اور ہر ایک چاہتا ہے کہ میں ریل کا سفر اس کے ساتھ کاٹوں۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ میرے اس اعزاز کا موجب میری کانفرنس والی تقریر تھی۔ جو ان کے معلومات متعلقہ اسلام سے بہت ارفع تھی۔ بلکہ وہ یہ سمجھے ہوئے تھے۔ کہ شاید میں کسی فلسفی فرقہ اسلام میں سے ہوں۔ اور جو کچھ اس کانفرنس میں اسلام کی طرف سے میں نے کہا ہے۔ وہ دراصل اسلام تو نہیں بلکہ کوئی جدید مخترعات ہیں۔

بات یہ ہے کہ اسلام کو نااہل فرقہ پرواروں نے اپنی سیاہ دلی سے کچھ ایسا تاریک کر کے مغربی دنیا کے سامنے پیش کیا ہے کہ جب مغرب میں ہم اسلام کو اپنی اصلی شکل میں پیش کرتے ہیں۔ تو وہ ان کی

نگاہ میں اس قدر اعلےٰ اور خوبصورت ہوتی ہے۔ کہ وہ لوگ ایسی تعلیم کو اسلام کی طرف منسوب ہوتا دیکھ نہیں سکتے۔ اور جھٹ کہہ دیتے ہیں۔ کہ یہ نئی باتیں ہیں جو پیش کر رہے ہیں۔ مجھ سے تو ہر روز یہی معاملہ ہو رہا ہے۔ اور اب تو یہ خبیث باطن دشمنانِ اسلام جن میں مسلم ورلڈ رسالہ کے مدیر مثلاً ذویمر وغیرہ خاص کر قابل ذکر ہیں۔ اسلام کی خوبصورتیوں سے جنہیں اسلامک ریویو آئے دن پیش کرتا ہے۔ اس قدر چکا چوند ہو گئے ہیں۔ کہ انہوں نے اسلامک ریویو کے پیش کردہ مذہب کا نام جدید اسلام ووکنگ رکھ دیا ہے۔ لیکن ان کے یہ آوازے مغربی محققین کی نگاہ میں۔

ماہ نور مے فشاند وسگ بانگ مے زند

کا حکم رکھتے ہیں۔

سٹیشن کے پلیٹ فارم پر میں حیران کھڑا تھا کہ کدھر جاؤں اور کدھر نہ جاؤں کہ اتنے میں میری نگاہ ایک امریکن فاضل پر پڑی۔ ان کے ہمراہ ان کی بیوی تھی۔ ان کی عزت و احترام سے بھری نگاہوں نے مجھے اپنی طرف مخاطب کیا۔ بعد میں انہوں نے میرا فوٹو بھی لیا۔ میں ان کے ہمراہ سوار ریل ہو گیا۔ کچھ منٹ ہی گذرے ہوں گے کہ سلسلۂ کلام شروع ہوا۔ اور اس میں فرقہ ہائے مذاہب کی طرف رُخ پلٹا مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ اس گفتگو کی تہ میں انہیں یہ امر دریافت کرنا تھا۔ کہ میں کس فرقۂ اسلام سے تعلق رکھتا ہوں۔ یوروپین تہذیب اور یہ دراصل اسلامی تہذیب ہے۔ جو ہم نے چھوڑ دی اور یورپ نے لے لی۔ کسی کی ذات کو بحث میں لانے کی اجازت نہیں دیتی۔ اس لئے امریکن فاضل نے مجھ سے یہ تو نہ پوچھا کہ میں کس فرقہ کا ہوں۔ اس نے سلسلۂ کلام یوں شروع کیا۔

امریکن فاضل اسلام میں بھی مختلف فرقے ہوں گے۔

میں جہاں تک مجھے علم ہے۔ اسلام میں کوئی فرقہ نہیں۔ اگر لفظ فرقہ کو اس کے اصل مفہوم میں دیکھا جاوے۔

امریکن فاضل (حیران ہو کر) یہ آپ کیا کہتے ہیں؟

میں میں وہی کہتا ہوں جو میرے لفظوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ یعنے اسلام فرقہ بندی سے ارفع ہے۔

امریکن فاضل پھر یہ شیعہ سُنّی کون ہوتے ہیں؟

میں: شیعہ اور سُنّی (حیرت کے لہجہ میں) آپ انہیں فرقہ بنا رہے ہیں؟ کیا وہ اختلافات جو کسی مذہب میں مختلف فرقے پیدا کر دیتے ہیں۔ ان میں ایسے اختلاف رائے بھی شامل ہوا کرتی ہے۔ جس کا اس مذہب کے اصول پر اثر نہ ہو۔

امریکن فاضل: نہیں تو۔

میں: تو پھر شیعہ ۔ سُنّی کسی فرقہ کا نام نہیں۔ ایک امر میں ایک عظیم اختلاف رائے مسلمانوں میں دو بزرگوں کی ذات و حقوق کے متعلق ہے۔ جس نے یہ دو جماعتیں پیدا کر دیں۔ میں بالتفصیل آپ کے سامنے واقعات پیش کر دیتا ہوں۔ پھر آپ رائے زنی کر سکتے ہیں۔ کہ آیا یہ اختلاف بھی موجب فرقہ بندی ہو سکتی ہیں۔ ہمارے نبی کریم حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلّم) دُنیا میں مذہب اسلام لاتے ہیں۔ اسلامی تعلیم کو تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ اور اس کے کسی شعبہ کو ناقص نہیں چھوڑتے۔ اپنی وفات پر ہمارے ہاتھ میں قرآن اور اپنا طریقِ عمل جسے ہم سُنّتِ نبوی کہتے ہیں۔ ہماری ہدایت کے لئے چھوڑ جاتے ہیں۔ آپ کے سُنن بھی محفوظ ہیں۔ آپ کی وفات پر آپؐ کے جانشین کے انتخاب کے لئے لازمًا اختلاف رائے ہوتا ہے۔ کیونکہ آزادیٔ رائے ایک آزاد سوسائٹی کا خاصہ ہوتا ہے۔ بعض کے نزدیک آپ کا جانشین الف ہونا چاہیئے۔ بعض الف پر ب کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ نہ الف کو اور نہ ب کو مسلمانوں نے بطور شارع مذہب قبول کرنا ہے۔ اور نہ انہوں نے تعلیم اسلام کو گھٹانا یا بڑھانا تھا۔ الف اور ب دونوں نے اسی طرح تعلیم قرآن و محمد (صلعم) کی پیروی کرنی تھی۔ جیسی میں نے یا کسی اور مسلمان نے نہ ان کے پیرو امُور اسلام میں قرآن اور پیغمبرؐ کے بعد اُن کے طرف یا کسی اور کی طرف دیکھتے ہیں۔ ہاں انہیں بطور شارح وہ قبول کر سکتے ہیں۔ آنحضرت صلعم کی وفات پر اسلام ایک امیر کو چاہتا تھا۔ جو شیرازۂ اسلام قائم رکھے۔ اور تعلیم اسلام کو چار گوشوں تک پہنچائے اور اپنے عمل سے سُنّت رسولؐ کو تازہ رکھے۔ بس صرف اس کام کے لئے خلیفۂ رسُول (صلے اللہ علیہ وسلّم) کی ضرورت تھی۔ اس کے انتخاب میں اختلاف ہوا۔ الف کو کثیر تعداد نے چن لیا۔ ب کے حامی اُس انتخاب پر مطمئن نہ تھے۔ اول الذکر سُنّی کہلاتے ہیں۔ اور آخر الذکر نے اپنے لئے شیعہ کا نام پسند کیا۔ چونکہ اسلام نے آزادیٔ رائے کو انسان کا پیدائشی حق قرار دے کر اس کی عزّت کی ہے۔ اس لئے وہ اختلاف آج تک چلا آتا ہے۔ جس کو

جہالت و ضد نے کسی قدر ناپسندیدہ حد تک پہنچا دیا۔ اب میرے معزز دوست آپ خود ہی فیصلہ کریں۔ کہ کیا شیعہ ۔ سنّی اسلام یا کسی مذہب کے بھی دو فرقے ہو سکتے ہیں۔

امریکن فاضل:۔ کیا اسی قدر اختلاف شیعہ۔ سنّی میں ہے ؟ یہ اختلاف تو کسی مذہب کا اصول نہیں ہو سکتا۔ یہ تو ذاتی سوال ہے۔ اور ایسے امر میں اختلاف نہیں کہ جس کے ماننے یا نہ ماننے سے کوئی شخص کسی مذہب میں داخل یا اس سے خارج ہو سکتا ہے۔

میں:۔ بس یہی اختلاف شیعہ سنّی میں ہے۔

امریکن فاضل:۔ تو پھر شیعہ سنّی اسلام کے دو فرقے نہیں ہو سکتے۔

میں: چند منٹوں کے بعد ہماری گاڑی منزل مقصود کے قریبی سٹیشن پر آ گئی۔ شاید سٹیشن سے شیٹو کوئی یاڈ میں کے فاصلہ پر ہو گا۔ سٹیشن چھوڑ کر میں شاید دو چار قدم ہی چلا ہوں گا۔ کہ ایک سفید ریش بزرگ نے مجھے سلام کیا۔ اور یوں ہم کلام ہوا۔

سفید ریش بزرگ ۔ آپ کی پرسوں کی تقریر سے ہم سب از حد محظوظ ہوئے۔

میں ۔ واقعی ؟ کیا آپ ایسا خیال کرتے ہیں ؟

سفید ریش بزرگ ۔ یہ امر شاید آپ کے لئے دلچسپی کا موجب ہو گا۔ کہ رات میز (دستر خوان) پر بہت سے اصحاب میں آپ کی تقریر ہی باعث مذاکرہ رہی۔

میں ۔ آپ صاحبان کا شکریہ۔

سفید ریش بزرگ ۔ آپنے ایک نئی بات ہمارے سامنے پیش کی۔ عبادت کا مفہوم جو آپ نے پیش کیا وہ نہ صرف نرالا ہی ہے۔ بلکہ اس مفہوم نے ہمارے فلسفہ الہیات میں ایک بیش بہا ایزاد کی ہے۔ یعنی انسان کا اپنی ہی تکمیل نفس کرنا ہی مقصد عبادت بلکہ عین عبادت ہے۔ آپ کا یہ بیان کرنا کہ یہ قیام قعود اور رکوع و سجود ربانی جلال و قدرت میں کوئی ایزادی نہیں کرتا بلکہ ان کا اصلی مقصد صرف انسان میں اطاعت کی روح پیدا کر کے اُسے تکمیل نفس کی سڑک پر لانا ہے۔ یہ وہ بات ہے جو کلیسی مفہوم عبادت سے بہت ارفع ہے۔ لیکن کیا یہ اسلامی مفہوم عبادت آپ نے پیش کیا ہے۔ یا کسی نے نقطہ خیال سے آپ اسلام کو پیش کرتے ہیں۔

میں ۔ معاف فرمائیے۔ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔ اسلام میں قدیم جدید کا خیال ایک امر نادر ہے۔ وہی قرآن ہمارے ہاتھ میں ہے۔ جو ہمارے پیغمبرؐ نے مقدس صحابہؓ کو دیا۔ وہی ہمارے مذہب اور عقائد کا ماخذ ہے۔ اس لئے مغربی کلیسا کی طرح اسلام تعمیر و ترمیم سے بچا ہوا ہے۔

سفید ریش بزرگ ۔ تو۔ کیا آپ کے ہاں فرقے نہیں۔ اور ان میں اختلاف عقائد نہیں۔

میں ۔ شاید آپ کی مراد شیعہ۔ سنی یا دیگر نام نہاد اسلامی فرقوں سے ہوگی۔ لیکن عیسائی فرقوں کا یا اسلام کے سوا دوسرے مذاہب میں جو فرقے ہیں۔ ان کا قیاس اسلامی مفروضہ فرقوں پر کرنا ایک قیاس مع الفارق ہے۔ کل کتب مقدسہ کے برخلاف قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے۔ جس کی تعلیم جہاں تک اصول مذہب۔ عقاید۔ معاد۔ اخلاق شرائع یا اور امور جن کا ماننا ایک مذہب پر ایمان صحیح رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ یا ایسی باتیں جن کا چھوڑنا لابُد ہے۔ ان تمام امور پر قرآنی تعلیم اتنی بیّن اور صاف ہے۔ کہ جن آیات میں ان امور کا ذکر ہے۔ اُن کے معانی کل اسلامی دُنیا ایک ہی کرتی ہے۔ کسی ایسی آیت کے دو مفہوم ہو ہی نہیں سکتے۔ تو پھر میں کس طرح سے یہ یقین کرلوں کہ اسلام میں کوئی فرقہ ہے۔ ہاں فروعی باتوں میں اختلاف رائے ضروری ہے۔ لیکن وہ تو کسی فرقہ کی بنیاد نہیں ہو سکتا۔

سفید ریش بزرگ ۔ تو میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔ کہ آپ کا مذہب ان مصائب سے پاک ہے۔ جن میں مسیحی کلیسا پھنسا ہوا ہے۔ میں ویلز کا باشندہ ہوں۔ اور ایک مدت تک ایک بڑا گرجا میرے ماتحت رہا۔ لیکن آخر میرے کانشنس نے مجھے مستعفی ہونے پر مجبور کیا۔

میں ۔ اگر آپ معاف فرمائیں تو کیا میں یہ پوچھنے کی جرأت کرسکتا ہوں۔ کہ آپکی وجہ علیحدگی کیا تھی۔

سفید ریش بزرگ ۔ میں چرچ آف انگلینڈ سے تعلق رکھتا ہوں۔ لیکن بعض امور نے مجھے پرسبٹیرین سے ہمدردی کی تھی۔ اسی طرح [illegible] کو ایکرس (QUAKERS) کی طرح اسبات کا قائل نہیں کہ نماز یا عبادت سوائے خاص آدمی کے اور کوئی نہیں کرا سکتا۔ یہ باتیں مجھے تکلیف دیتی تھیں

جو میرے نزدیک تو اصولِ مذہب نہ تھیں۔ لیکن مختلف فرقہ ہائے عیسائیت میں یہی باتیں کفر و ایمان تک پہنچا دیتی ہیں۔ فی الجملہ مجھے فرقی تنازعات نے مجبور کیا۔ کہ میں کسی فرقے سے تعلق نہ رکھوں۔ لیکن یہ بات جو اسلام کے متعلق کہتے ہیں کہ اسلامی فرقوں میں کوئی اصولی اختلاف نہیں مجھے انوکھی معلوم ہوتی ہے۔ اگر یہ ایسا ہی ہے۔ تو یہ ایک عظیم الشان صداقت ہے۔ ہاں ہم اصلی سوال سے کسی قدر الگ ہوگئے ہیں۔ جو مفہوم عبادت آپ نے بیان کیا وہ مجھے از حد پسند آیا۔ لیکن مدت ہوئی۔ میں نے بھی قرآن پڑھا تھا۔ میری اس وقت ان مطالبات عالیہ کی طرف توجہ نہ ہوسکی۔

میں ۔ معاف فرمائیں۔ آپ نے رنگدار عینک سے قرآن کو پڑھا۔ قرآن کی اصلی خوبصورتی آپ کی نگاہ سے اِدھر اُدھر ہوگئی۔

سفید ریش بزرگ ۔ آپ کی مُراد شاید انگریزی ترجمہ قرآن سے ہے۔ ہاں میں نے سیل کا ترجمہ پڑھا تھا۔

میں ۔ میرا مطلب بھی یہی تھا۔ جو شخص ترجمہ کرنے کی غرض خود ہی یہ تبلا دے۔ کہ وہ اس ترجمہ کے ذریعہ ان مشنریوں کے ہاتھ میں اسلام کے خلاف ایک حربہ دینا چاہتا ہے جو اسلامی ممالک میں اشاعت عیسائیت کے لئے جائیں گے۔ جیسا کہ سیل نے اپنے دیباچہ کے شروع میں ہی لکھا ہے۔ پھر اس سے آپ کیا اُمید رکھ سکتے ہیں۔

سفید ریش بزرگ ۔ ہاں اس نے تعصب سے کام لیا ہے۔ لیکن اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ آپ کیوں اپنا ترجمہ قرآن مغربی دنیا کے سامنے پیش نہیں کرتے ہیں۔ وہی ہمارے لئے پھر سند ہوگی۔ ہاں ہم عبادت کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ کیا قرآن میں کہیں ایسا ذکر صریح الفاظ میں ہے کہ عبادت کا تعلق انسان سے ہی ہے۔ اس سے خدا کو چنداں تعلق نہیں۔

میں ۔ کئی مواقع پر اس کا ذکر ہے۔ مثلاً سورہ لقمان میں آیا ہے۔ کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ (لقمان) ۳۱ : ۱۲

ایسا ہی ایک اور جگہ آیا ہے۔ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ (العنکبوت) ۲۹ : ۶

اِن آیات کو میں نے اصلی الفاظ میں آپ کے سامنے پڑھا۔ اب میں لفظی ترجمہ کرتا ہوں۔ جو انسان

خدا کا شکر کرتا ہے۔ تو اس سے اس کے نفس کو فائدہ ہے۔ جو کافر نعمت ہوتا ہے تو خدا ان باتوں سے بے نیاز ہے۔ ستائش تو اس کی ذات کے اندر ہے۔ دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص عبادت میں کوشش کرتا ہے۔ یہ کوشش اس کے اپنے فائدہ کے لئے ہوتی ہے۔

باتوں کا سلسلہ یہاں تک پہنچا تھا۔ کہ ہم شیٹو میں پہنچ گئے۔ یہ محل کسی قدر بلندی پر واقع تھا۔ عمارت پرانی وضع کی تھی۔ اور اس کے اندر دیواروں پر کثرت سے قدیمی وضع کے ہتھیار آویزاں تھے۔ وہ جگہ تاریخی لحاظ سے بہت سی دلچسپی کا موجب تھی۔ جن کا ذکر یہاں کرنا میرے مقصد سے کسیقدر دور جانا ہوگا۔ میں مضمون زیر قلم کے موضوع کو سامنے رکھ کر صرف اسی قدر کہنا چاہتا ہوں کہ اس جگہ میرے ساتھ کثرت سے تبادلہ کارڈ ہوا۔ یہ لوگ عموماً پچاس سال کی عمر کے لگ بھگ تھے۔ بعض ساٹھ سے بھی متجاوز تھے۔ مجھ سے محبت سے ملتے۔ لیکن جو بات مجھے حیران کر رہی تھی وہ یہ تھی کہ از اظہار سے اکثر اس بات کی ٹوہ میں تھے۔ کہ میں کس فرقۂ اسلام سے تعلق رکھتا ہوں۔ چونکہ ان کا استفسار نہایت باریک انداز پر ہوتا تھا۔ اس لئے میں نے حتے الوسع تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔ آخر کار مجھے ایک جوان عمر جنٹلمین ملا۔ اور معمولی سلام کے بعد فی الفور مجھ سے پوچھنے لگا۔ کہ میں غالباً کسی فلسفی فرقۂ اسلام سے تعلق رکھتا ہوں اس کی عمر اس کی شکل وشباہت اور اس کا انداز گفتگو طبعاً میرے دل میں اس کا احترام پیدا نہ کر سکتا تھا۔ مجھے اس کے سوال نے کسی قدر برہم کر دیا۔ جس پر میں نے جھنجلا کر اسے کہا کہ آپ لوگوں کا کیا مطلب ہے جو شخص میرے پاس آتا ہے وہ ایک نہ ایک رنگ میں یہی ایک سوال کرتا ہے۔ کہ میں کس فرقۂ اسلام سے تعلق رکھتا ہوں۔ اسلام کے شارع نے اور معلمان مذہب کی طرح اسلام کو ایسی نامکمل حالت میں نہیں چھوڑا۔ کہ جس سے اسلام بھی اس لعنت میں گرفتار ہوتا۔ جس کا رونا گذشتہ ہفتہ کانفرنس میں پادری صاحبان روتے رہے۔ اگر اختلاف رائے اور مختلف عقائد دو مختلف اور الگ الگ چیزیں ہیں تو اسلام میں کوئی فرقہ نہیں۔ اسلام میں اختلاف رائے کی عزت کی گئی ہے۔ جس نے اسلام میں مختلف خیالات کے مختلف گروہ بنا دیئے ہیں۔ جن سے دوسروں کو فرقے کا دھوکا ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ مختلف الآراء جماعتیں مختلف العقائد نہیں ہیں۔ اس لئے ان پر فرقے کا لفظ ہی عائد نہیں ہو سکتا۔

جوان ۔ مجھے معاف فرمائیں ۔ میں آپ کی ناراضگی کا موجب ہوا ۔ کہ آپ کی پرسوں کی تقریر نے ہمارے معلومات اسلام میں بہت کچھ ۔ اور میں کہہ سکتا ہوں کہ حیرت افزا اضافہ کیا آپ جدت تقریر نے بعضوں میں یہ خیال پیدا کیا کہ غالباً آپ یا تو اپنے خیالات کے موجد ہیں ۔ یا کسی ریشنل فرقہ اسلام سے تعلق رکھتے ہیں ۔

میں ۔ میں آپ کے نزدیک مری باتیں شائد نئی ہوں ۔ لیکن میں نے تو کوئی بھی امر ایسا پیش نہیں کیا جس کی استیناد میں نے قرآن سے نہ کی ہو ۔ میں نے مختلف خصائص اسلام پیش کئے ۔ اور یہ وہ باتیں تھیں جو مجھے اور مذاہب میں نظر نہیں آئیں ۔ ان میں کوئی بھی ایسی بات نہ تھی ۔ کہ جس کے ثبوت میں میں نے ایک نہ ایک قرآن کی آیت نہ پڑھی ہو ۔ اور ان آیات کا ترجمہ بھی احتیاطاً میں نے راڈول کے ترجمہ قرآن سے لیا ہے ۔ تاکہ یہ نہ سمجھا جائے کہ میں نے قرآن کے مطالب کو اپنے سانچے میں ڈھالا ہوا ہے ۔ یا میں کسی خاص فرقہ اسلام کو پیش کرتا ہوں ۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں ۔ اور آپ میری طرف سے ازراہ مہربانی ہر ایک متفحص کو عرض کر دیں کہ ۔

اسلام میں کوئی فرقہ نہیں

جوان ہم اس انکشاف کے لئے آپ کے از حد مشکور ہیں ۔ یہ واقعی انکشاف ہے ۔ واللہ دنیا میں کون سا مذہب ہے جسمیں اختلاف نہیں ۔ اور اگر اس قاعدہ عامہ میں کوئی استثناء ہے ۔ تو پھر آپ کے کہنے کے مطابق صرف اسلام میں ہے ۔

اسی قسم کی گفتگو لنڈن مسلم ہوس میں اس واقعہ کے پانچ سال بعد ریورنڈ ڈیو کاکس بی اے بی ڈی سے ہوئی ۔ پادری صاحب اسلام کا شوق رکھتے تھے ۔ انہوں نے بہت کچھ اسلام کی بابت واقفیت حاصل کی تھی ۔ پھر انہوں نے رائیٹ آنریبل سید امیر علی صاحب بالقابہ سے خط وکتابت کی ۔ سید صاحب نے ایک چٹھی کے ذریعہ پادری صاحب کو مجھ سے متعرف کرایا ۔ ایک اور پرائیویٹ چٹھی میں آپ نے مجھے اطلاع دی ۔ کہ پادری صاحب موصوف نہ صرف اسلام کے متعلق آپ سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں ۔ بلکہ تشفی پاتے پر ممکن ہے کہ اسلام قبول کرلیں ۔ پادری صاحب سے ایک ہفتہ تک متواتر مختلف امور پر گفتگو ہوتی رہی ۔ ایک دن آپ نے فرمایا ۔ کہ اسلام کے معقول عملی اور سیدھے سادے

اصولوں سے کس کو انکار ہو سکتا ہے ۔ لیکن بدقسمتی سے جس ایک بات نے مجھے عیسائی مذہب سے متنفر کرایا ۔ اس سے اسلام بھی خالی نہیں ۔ عیسائیت پر فرقہ بندی کی شکل میں اس وقت لعنت برس رہی ہے ۔ اور کس قدر افسوس ہے کہ اس اختلاف فرقے سے اسلام بھی خالی نہیں ۔ جیسے کہ اس وقت اسلامی دنیا شیعہ ۔ سنی فرقوں میں تقسیم ہو چکی ہے ۔ میں نے برعایت اختصار امور بالا کا جو میں امریکن فاضل کے متعلق لکھ چکا ہوں اعادہ کر کے آخر ایک بات کہی جس نے در اصل عیسائیت اور اسلام میں فیصلہ کرا کے پادری صاحب کو آنحضرت صلعم کا حلقہ بگوش بنایا ۔ میں نے انہیں کہا ۔ کہ آپ پریسبیٹرین فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں ۔ آپ کو بھی عیسائی بنانے کا موقعہ ملا ہوگا ۔ کیا آپ گوارا کریںگے کہ جو شخص آپ سے بپتسمہ حاصل کرنے آئے آپ اُسے کسی رومن کیتھولک یا انگلستانی کلیسا کے پادری یا کسی اور فرقہ عیسائی کے معلّم کے پاس بھیج دیں گے ۔ ہرگز نہیں وجہ یہ ہے کہ آپ کے نزدیک وہ فرقے حقیقی عیسائی نہیں ان کا اور آپ کا اختلاف ایسے امور میں ہے جو کفر و ایمان کی حد تک پہنچتا ہے ۔ جن باتوں کے ماننے پر کیتھلک تعلیم کے ماتحت ایک شخص عیسائی ہو سکتا ہے ۔ وہی آپ کے نزدیک اُسے عیسائیت سے خارج کر سکتا ہے ۔ لیکن اسلامی نام نہاد فرقوں کے مابہ الامتیاز کی باتیں تو کفر و ایمان تک نہیں پہنچتیں ۔ اگر ایسا ہوتا تو سید امیر علی صاحب آپ کو ایک سُنی مذہب کے پاس جیسا کہ میں ہوں بغرض تعلیم تبلیغ اسلام نہ بھیجتے ۔ سید صاحب شیعہ مذہب کے فرقہ معتزلہ سے تعلق رکھتے ہیں ۔ پھر مَیں نے پادری صاحب کو سر آغا خان کی ایک چٹھی دکھلائی اور انہیں بتلایا کہ سر آغا خان اسمٰعیلی شیعوں کے اس وقت پیر و مرشد ہیں ۔ لیکن وہ اس چٹھی کے ذریعہ لفٹننٹ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ صاحب کو میری طرف بغرض تلقین اسلام رہنموئی کرتے ہیں ۔ لفٹننٹ مذکور انہیں اسلام کا ہیڈ سمجھ کر اُن کے پاس مشرف بہ اسلام ہونے کے لئے جاتا ہے ۔ وہ اُسے میرے پاس کلمہ پڑھنے کے لئے بھیجتے ہیں ۔ اب اگر شیعہ سُنیوں میں کفر و اسلام کا فرق ہوتا یا اصُول

مذہب میں وہ ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے تو پھر سید صاحب و سر آغا خان مذہب اسلام قبول کرنے والوں کو میری طرف کیوں بھیجتے۔

یہ ایک بدیہی واقعہ تھا۔ اور اس کا ثبوت ریورنڈ موصوف کی اپنی ذات تھی۔ ظاہر ہے۔ کہ اس عملی تشریح کا جوان پر اثر ہو سکتا تھا۔ وہ نظری بحثوں سے ممکن نہ تھا۔ اس کے بعد چند ہی باتیں انہوں نے اور کیں اور ریورنڈ ڈیو کاکس بی اے۔ بی ڈی مولوی عبداللہ بن گئے۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔

یہاں مجھے نہایت درد دل سے لکھنا پڑتا ہے۔ کہ ایک اور معزز پادری جو بالکل اسلام کے قریب آچکا تھا۔ اور اسلامک ریویو کا دلدادہ تھا۔ وہ اچانک قبولیت اسلام سے محض اس لئے رک گیا کہ اسلام میں بھی فرقے ہیں چنانچہ اس نے مجھے لکھا کہ مجھے ابھی معلوم ہوا ہے۔ کہ اسلام میں سنی شیعہ دو بڑے فرقے ہیں۔ اور ان کے اختلافات نے اسلام کو دو خطرناک مخالف کیمپوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ یہ تو وہی مصیبت ہے۔ جس نے مجھے عیسائیت سے بیزار کیا ہے۔ بدقسمتی سے یہ خط پادری صاحب موصوف کا میرے ایام بیماری میں آیا ممکن تھا کہ ایک دو ملاقات سے کوئی مفید نتیجہ نکلتا۔ لیکن میرے اعصابی عوارض ان امور کے متحمل نہ تھے۔ اور مجھے چند ماہ کے بعد ادھر واپس آنا پڑا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ مکالمات کسی ناول کا حصہ نہیں بلکہ یہ واقعات صحیحہ ہیں۔ آج ان کو سات برس گذر گئے لیکن ان کی اہمیت نے میرے دل پر انہیں نقش بر سنگ کر رکھا ہے۔ ان سے جو نتائج میں اخذ کرنا چاہتا ہوں۔ وہ کسی قدر آگے چل کر لکھوں گا۔ یہاں ایک اور گفتگو کو حوالۂ قلم و کاغذ کر دیتا ہوں۔ جو مجھ میں اور ایک نو مسلمہ میں دو نسال ہوئے لندن مسلم ہاؤس میں ایک نماز جمعہ کے بعد ہوئی۔ ہماری مسجد میں کوئی فرقہ کی تمیز نہیں۔ ایک ہی امام کے پیچھے سنی شیعہ۔ حنفی۔ شافعی۔ حنبلی نماز ادا کرتے ہیں۔ اور ارکانِ نماز کو بعض ان میں سے اپنی اپنی طرز پر ادا کرتے ہیں۔ اس دن خطبہ جمعہ کے لئے میں نے آیت ذیل کو لیا۔ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (۱۶: ۶۴)

خلاصہ خطبہ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (النحل) ۱۶: ۶۳-۶۴

قرآن کریم نے اپنی ضرورت پر بہت سے دلائل دیئے ہیں۔ ان میں سے ایک زبردست دلیل کیطرف یہ آیت اشارہ کررہی ہے۔ از روئے تعلیم قرآن تمام مذاہب ایک ہی خدا کیطرف سے آئے۔ ایک ہی قسم کی تعلیم لائے۔ اور ایک ہی قسم کے اصول ان سب مذاہب نے سکھلائے۔ بالفاظ دیگر ایک ہی مذہب خدا کی طرف سے مختلف ممالک و زمانوں میں مختلف انبیاء کی معرفت نازل ہوئے۔ چوں کہ ان بزرگوں کی تعلیمات کو محفوظ رکھنے کے سامان اس وقت موجود نہ تھے۔ اس لئے وہ تعلیمیں مخدوش ہوگئیں۔ اور انسانی دستبرد نے ان کی شکلیں بدل دیں۔ اسی لئے ان مذاہب میں تخالف پیدا ہوگیا۔ بلکہ ایک ہی مذہب کے مختلف شاخوں میں مشرق و مغرب کا فرق پیدا ہونے لگا۔ چنانچہ آج مطالعہ مذاہب ہمیں اس نتیجہ پر پہنچاتا ہے۔ اگر مذہب سے مراد خدا کی ہدایت ہے۔ جو آسمان سے اللہ کے لئے آئی اگر خدا رب العلمین ہے۔ تو دو حالت سے خالی نہیں۔ یا تو مذہب ایک جگہ نازل ہوکر تمام دنیا میں اپنی محفوظ شکل کے ساتھ پہنچ جائے۔ یہ امر بالبداہت آج سے ہزار پندرہ سو برس پہلے ناممکن تھا۔ کیونکہ زمانہ میں کل دنیا کے میل جول کے وسائل پیدا نہ ہوئے تھے۔ دوسری صورت یہ تھی کہ خدا تعالیٰ نے جس طرح ہر ایک ملک و قوم کو جسمانی پرورش کے سامانسے یکساں عطا فرمائے۔ ویسی ہی ان کی روحانی پرورش کے سامان بھی عطا فرمائے۔ اگر جناب مسیح کا خون سب کی نجات کے لئے کافی تھا۔ توکیوں اس کے خون کی بشارت کا علم صدیوں تک ایک خاص علاقہ سے باہر نہ گیا۔ بہرحال سچا مذہب یہی ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہر جگہ ایک ہی مذہب تعلیم کیا۔ قرآن کریم کے نزول پر تمام مذاہب کی شکل قریباً یہی تھی جو آج ان کی تعلیمات کی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ان سب میں سخت اختلافات ہیں۔

ضرور رہے۔ کہ صحیح تعلیم ایک ہی ہو گی۔ خواہ وہ کہیں ہو۔ تو کیا وہ خداوند جو وقتاً فوقتاً انسان سے اس لئے بولا۔ کہ انسان کو اپنی منشاء سے آگاہ کرے۔ اس خداوند کا یہ فرض نہیں تھا۔ کہ جب انسان نے اس کی منشاء کو مخدوش کر دیا۔ تو پھر کسی انسان کی معرفت اپنی اصلی منشاء کو دُنیا پر ظاہر کر دے۔ اچھا مذاہب مختلفہ کو چھوڑ دو۔ اسلام کے علاوہ کسی ایک دوسرے مذہب کو لو۔ پھر آپ دیکھ لیں گے۔ کہ اس مذہب کے مختلف فرقوں میں سخت اختلاف ہے۔ عیسائی مذہب کے دو سب سے پہلے فرقوں کو لے لو۔ موحدین۔ اور تثلیث پرست۔ ان دو میں اس قدر اصولی اختلاف ہے۔ کہ اگر موحدین ہی عیسائی ہیں۔ تو اہل تثلیث کسی معنی میں مسیحی کہلانے کے مستحق نہیں وہ خارج از مسیحیت ہی ہونے چاہئیں اور مستوجب دوزخ۔ اب اہل تثلیث میں دو بڑے فرقے ہیں۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ۔ یہ دونوں مسیح کو خدا مانتے ہیں۔ لیکن کیتھولک خدائی میں مریم کو بھی شریک کرتے ہیں۔ اور پوپ کو معصوم عن الخطا سمجھتے ہیں اور یہ دو آخرالذکر باتیں پوپی مذہب میں اس پایہ کی ہیں۔ کہ ان کو ماننا جزو ایمان ہے۔ حالانکہ یہی دو باتیں پروٹسٹنٹ کے نزدیک عیسائیت سے خارج کرنے کے لئے کافی ہیں۔ آگے چل کر فرقہ پروٹسٹنٹ کئی شاخوں میں منقسم ہو جاتا ہے۔ اور حیرت ناک بات یہ ہے۔ کہ ہر ایک شاخ دوسری شاخ سے ایسی بات میں اختلاف رکھتی ہے۔ جس کا ماننا نہ ماننا کفر و ایمان کا سوال ہو جاتا ہے۔ اب یہ سارے فرقے سچے تو نہیں ہو سکتے مثلاً یا مسیح خدا ہے یا نہیں۔ وہ خدا جس نے مسیح کی معرفت کوئی خاص تعلیم بھیجی۔ جب وہی تعلیم خطرناک طور پر معرض اختلاف میں آئے۔ تو وہ کیوں خاموش بیٹھا ہے۔ وہ کس لئے کسی انسان کی معرفت اپنی منشاء کو ظاہر نہیں کر دیتا۔ چلو بودھ مذہب کو لیلو۔ عارف باللہ گوتم بھی خدا کے نبی تھے۔ لیکن ان میں بھی جو بڑے تین فرقے ہیں۔ وہ اصول میں ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ ایک گروہ دہر پرست ہے۔ اور خدا کی ہستی کا قائل نہیں۔ اور جو قائل ہیں ان کے آگے دو گروہ ہیں۔ بعض خدا کو دنیا سے

الگ ۔ اور بعض ہر ایک دنیوی معاملہ میں اس کا ہاتھ دیکھتے ہیں۔ اب تین گروہوں میں ایک ہی گروہ حق پر ہو سکتا ہے۔ یہ تو تین فرقے نہیں ہیں۔ تین مذہب ہیں۔ ویدک مذہب تو ذکر کرنے کے قابل ہی نہیں۔ صدہا قسم کے مذہب اس کتاب یعنی وید سے وابستہ ہیں۔ ہر ایک اسی سے استناد کرتا ہے۔ مثلاً وہ بھی ہندو کہلاتے ہیں۔ اور وید سے ہی سند پکڑتے ہیں۔ جو خدا کی ہستی کے قائل نہیں۔ اور وہ بھی ہیں۔ جنہیں وید میں سے خدا کی ہستی کا ثبوت ملتا ہے وہ بھی ہیں جو تناسخ روح کے قائل ہیں۔ وہ بھی ہیں جن کے نزدیک وید تناسخ کے خلاف تعلیم کرتا ہے۔ خدا پرست گروہ میں سے ایک گروہ اسے خالق نہیں ٹھیراتا۔ اور مادہ اور روح کو خدا کے ساتھ ازلی ابدی قرار دیتا ہے۔ بالمقابل اسی کتاب کے ماننے والے کو خالقِ کل قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح صدہا قسم کے متضاد عقائد کا منبع و مخرج یہی ایک کتاب ہے۔ جس نے صدہا مذہب و فرقے ہندوستان میں پیدا کر رکھے ہیں۔ اس کی اصل وجہ تو میرے نزدیک یہ ہے کہ وید جس زبان میں ہے۔ وہ مُردہ اور اس کے سمجھنے والے دنیا سے اُٹھ چکے ہیں۔ ہر ایک اپنے مطلب کی بات کو لینے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔

اب جیسے کہ میں نے پہلے ذکر کیا ہے۔ یہ مذاہب اور کتابیں ایک ہی سرچشمہ ہدایت سے نکلیں تو جس ضرورت کے لئے یہ کتابیں اور مذہب اپنے اپنے وقت میں نازل ہوئیں وہ ضرورت قرآن کریم کے نزول کے وقت بدرجہ اولے تھی۔ کیونکہ نزول قرآن کریم اس وقت کے قریب ہوا۔ جب کل دنیا اکٹھے ہونے کو تھی۔ اس لئے خدا تعالےٰ پر انسان کا حق تھا۔ کہ وہ اپنی منشا کو انسان پر ظاہر کر دے۔ چنانچہ آج ہمارے ہاتھ میں قرآن کریم خدا کی آخری وحی ہے۔ اس نے دنیا کے ایسے ہر مسئلہ پر جس میں اہل دنیا نے ایک دوسرے سے اختلاف کر رکھا ہے۔ کافی روشنی ڈال کر حقیقی مذہب بیان کر دیا۔ آپ کسی مذہب کا یا کسی مذہب کی کسی شاخ کا کوئی اختلافی مسئلہ مجھے بتلائیں۔ اور میں آپ کو قرآن کریم کا صاف اور بین مذہب مع دلائل عقلیہ کے ساتھ بتلا دوں گا۔ میرے نزدیک قرآن کریم کی آخری وحی ہونے پر یہ بھی ایک زبردست دلیل ہے۔ کہ مسئلہ تناسخ یا

قدامت مادہ و روح پر کوئی فیصلہ کن امر بائیبل میں سے نکل سکتا ہے۔ ایسا ہی مسئلہ کفارہ یا الوہیت مسیح کی حمایت یا اس کے خلاف کوئی فیصلہ کن بات وید سے نکل سکتی ہے قرآن نے صحیح طور پر اپنے آپ کو حکم کہا۔ جیسے کہ قرآن کہتا ہے۔

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ (النساء ۴: ۱۰۵)

یہ کتاب ہم نے اس لئے نازل کی کہ لوگوں کے اختلافی مسائل میں یہ صحیح فیصلہ کرے

الغرض یہ تو ظاہر ہے کہ جو دلیل قرآن کریم نے اپنی ضرورت پر ان آیات میں فرمائی ہے۔ وہ ضرورت حقہ تو ہے اب رہا یہ کہ قرآن کریم نے اس ضرورت کو پورا کیا یا نہیں۔ یہ ایک الگ مضمون ہے۔ جو ایک لمبی بحث چاہتا ہے۔ یہاں میں برعایت اختصار دو باتوں کا ذکر کرتا ہوں۔ ایک تو وہی امر ہے۔ جو میں بیان کر چکا ہوں۔ یعنی مذہبی دنیا میں کوئی اختلافی مسئلہ نہیں کہ جس پر قرآن کریم نے بطور حکم اپنا فیصلہ نہ دیا ہو۔ جس عقیدہ کا بُطلان کیا ہے۔ دلائل بینہ سے کیا ہے۔ اور جسے قائم رکھا ہے۔ اس کے ثبوت میں بھی براہین قاطعہ دیئے ہیں۔ جیسے فرمایا۔

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنۢ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنۢ بَيِّنَةٍ (۸ : ۴۲)

دوسری بات جس کا میں خاص طور پر ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ قرآن نے جس مذہب کو دنیا سے منوانا چاہا۔ اور جس کا نام اس نے اِسلام تجویز کیا۔ اسکے اصول اس کے عقائد۔ اس کی تعلیمات اخلاق و تمدن۔ اس کے دوسرے ضروری مسائل ایسے واضح اور بین طور پر بیان کر دیئے ہیں۔ کہ جن میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں۔ اور جن پر صرف ایک ہی رائے ہو سکتی ہے۔ جن آیات قرآنی میں ان امور کا ذکر ہے۔ ان کے ایک ہی معنی ہو سکتے ہیں۔ اور سب مفسرین نے ایک ہی معنے کئے ہیں۔ آپ نے شاید اسلام میں بھی بعض فرقوں کے نام سنے ہوں گے۔ انہیں دراصل فرقہ کہنا غلطی ہے۔ فرقے وہ ہوتے ہیں۔ جن میں اصولی اختلاف ہو۔ میں آپ کے سامنے اسلام کے اصولوں کو گن دیتا ہوں ان کو صفت ایمان میں جمع کیا گیا۔ وہ یہ ہے۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ۔

اس میں سات باتوں کا ذکر ہے۔ جن پر ایمان لانا ایک شخص کو مسلمان بناتا ہے۔ اور جن میں سے ایک سے بھی انکار اسے اسلام سے خارج کرتا ہے۔ وہ یہ ہیں۔ اللہ۔ ملائکہ کتب۔ رسل۔ یوم آخرت۔ خیر و شر کا اندازہ خدا کی طرف سے اور حشر بعد الموت۔ اسلام میں بہتر نہیں۔ بہتر ہزار فرقے ہوں۔ ایک بھی گروہ آپ ایسا نہ پائیں گے۔ جن میں سے کسی ایک کو ان بیان کردہ سات صداقتوں میں سے کسی ایک پر انکار یا شک و شبہ بھی ہو۔ پھر کل مسلمانوں کا کعبہ و کلمہ ایک ہے۔ سب کے نزدیک پانچ ہی ارکان اسلام ہیں۔ سب کا ایمان آنحضرتؐ کے ختم نبوت پر ہے۔ ہر ایک مسلمان خواہ کسی جماعت سے تعلق رکھتا ہو اپنی ہدایت کے لیے صرف قرآن کریم اور آنحضرتؐ کی طرف دیکھتا ہے۔ اس پر ہمارا مذہب ختم ہو جاتا ہے۔ یہی ایک مذہب ہے اور یہی ایک کتاب ہے کہ جس نے اپنی تعلیمات میں اختلاف اصول کی گنجائش نہیں رکھی۔ اب اگر دنیا میں ایسی کتاب نہ آتے۔ تو پھر منشاء ایزدی جو تنزیل الہام میں تھی۔ پوری نہیں ہوتی۔ اور جب ایسی کتاب نازل ہو جائے تو اس کے بعد کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں رہتی۔ اگر اسلام میں بھی مختلف فرقوں کی گنجائش ہوتی تو اس آیت کے ماتحت جس سے میں نے خطبہ شروع کیا تھا۔ ہمیں کسی اور کتاب کی ضرورت پڑتی۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَھُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْہِ (۱۶: ۶۴)

ہم نے یہ کتاب اسی لئے تم پر نازل کی۔ کہ تم ان اختلافات کا دلائل بینہ کے ساتھ قلع قمع کر دو۔ جو مختلف مذاہب میں (اور وہ مختلف مذاہب دراصل ہماری طرف سے ہیں) آج دائر و سائر ہیں۔ ان سب کو ایک ہدایت کا راستہ بتلا دو۔ خدا کا احسان ہے کہ ہمارے ہاتھ میں ایسی فیصلہ کن اور مہیمن کتاب ہے۔ جس کے ہوتے اسلام فرقی اختلاف سے بچ گیا۔ اسلامی نام نہاد فرقوں میں جہاں تک اصول ہائے مذہب کا سوال ہے۔

کوئی اختلاف نہیں۔ باقی اختلاف جو ہے وہ ہونے چاہئیں۔ وہ انسانی ترقی کے لئے ضروری ہیں۔ اور وہ موجب رحمت ہیں۔ جیسا کہ ہمارے نبی کریمؐ نے فرمایا۔

اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَةٌ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰالِكَ

جمعہ کا وقت اور مغربی دنیا کے لنچ (دوپہر کا کھانا) کا وقت ایک ہی ہوتا ہے۔ ہمارے مقتدی لندن جیسے شہر کے مختلف حصص میں جو تیس میل کے اندر پھیلا ہوا ہے۔ رہتے ہیں لنچ کی وقتوں کے باعث بعض وقت شامل جمعہ نہ ہو سکتے تھے۔ اس لئے ہم نے یہ انتظام کیا کہ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر چائے وغیرہ کا انتظام مشن کی طرف سے اس جگہ ہو جایا کرے جہاں نماز جمعہ ادا ہوتی ہے۔ اس طریق سے یہ بھی فائدہ ہو گیا کہ نماز جمعہ کے بعد ہم سب لندن مسلم ہوس کے حصہ مسجد سے نکل کر لیکچر روم میں آجاتے ہیں. جہاں چائے کا بندوبست ہوتا ہے۔ اور اس طرح ایک دوسرے سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ نومسلموں کا آپس میں اور ہم سے میل جول رہتا ہے۔ بعض لوگ خطبہ سننے کے لئے آئے ہوتے ہیں۔ اور وہ ابھی غیر مسلم ہوتے ہیں۔ ان سے بھی مزید گفتگو کا موقع مل جاتا ہے۔ ہمارے احباب میں سے بعض نماز عصر اور بعض وقت شام تک وہیں رہتے ہیں۔ عموماً مذہبی گفتگو ہوتی رہتی ہے۔ علے الخصوص نومسلمین اسلام کے متعلق اپنے معلومات بڑھاتے ہیں۔ اس خاص جمعہ کو جب میں نے یہ خطبہ پڑھا تو ایک خاتون نے لیکچر روم میں آتے ہی مجھ سے کچھ وقت کی استدعا کی۔ جب ہم چائے سے فارغ ہوئے تو نومسلمہ مذکور بمعہ دو چار اور احباب نومسلم کے میرے ہمراہ ڈرائنگ روم چلے گئے۔ اور ہم میں ذیل کی گفتگو ہوئی۔

نومسلم ۔ آپ کا خطبہ تو نہایت مفید اور نئے معلومات اپنے اندر رکھتا تھا۔ بات بھی سچ ہے خدا کی طرف سے اگر مذہب آئے۔ وہ سب دنیا کے لئے ایک ہی ہونا چاہیئے۔ اور اس کی تعلیم ایسی بیّن اور مبرہن ہونی چاہیئے۔ کہ اس کی کسی اصولی تعلیم پر دو رائی نہ ہو سکے۔ یہ بھی آپ نے نہایت صحیح طور پر ثابت کر دیا۔ کہ اگر قرآن اس قسم کی تعلیم لایا ہے۔ تو پھر یہ خاتم الکتاب ہونا چاہیئے۔ جب ایک دفعہ تعلیم آگئی۔ اور وہ مغشوش و مخدوش ہونے سے بچ چکی ہے۔ تو پھر اس تعلیم کے اعادہ کی کیا ضرورت ہے لیکن میں نے چند باتیں نوٹس کی ہیں۔ جس میں مجھے ہمارے بعض مشرقی مسلم بھائی ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے نظر آتے ہیں۔

میں ۔ واقعی ۔ شاید آپ کو غلطی لگ گئی ۔ میرے علم میں تو ایسا نہیں ۔

نومسلم ۔ یہ ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو ۔ ہاں آپ تو امام ہوتے ہیں ۔ اس لئے آپ کو اختلافات کا علم نہ ہوتا ہوگا ۔

- -

- -

میں ۔ میں سمجھا نہیں ۔ آپ تشریح کریں ۔

نومسلم ۔ اعلان اسلام سے پہلے بھی میں یہاں آیا کرتا تھا ۔ اور آپ کو نماز پڑھتے دیکھتا تھا ۔ اب بھی نماز جماعت کے بعد جو حصّہ نماز کا آپ لوگ ادا کرتے ہیں ۔ اس میں کچھ اختلاف سا نظر آتا ہے بعض لوگ چھاتیوں پر ہاتھ رکھتے ہیں ۔ بعض زیر ناف ۔ بعض دوست ہر ایک سکون و حرکت پر ہاتھ کانوں کی طرف ٹھیک اسی طرح لے جاتے ہیں ۔ جیسے آپ اور آپ کی اقتدا میں ہم سب شروع نماز میں اپنے ہاتھ کانوں کی طرف لے جاتے ہیں ۔ پھر جب آپ قرآن کی پہلی سورت (سورہ فاتحہ) ختم کرتے ہیں تو بعض لوگ تھوڑے کسی قدر بلند آواز سے آمین کہتے ہیں ۔ عیسائی گرجوں میں تو ایک قسم کی ہم آہنگی اور یک رنگی ہوتی ہے ۔ آپ ہمارے ہاں کیوں نہیں کراتے ۔

میں ۔ اب میں آپ کا مطلب سمجھ گیا ۔ یہ ایک لمبی بحث ہے ۔

نومسلم ۔ تو شاید آپ کے پاس اس وقت وقت نہ ہوگا ۔ پھر کبھی سہی ۔

میں ۔ اس سے بہتر میرے لئے اور کوئی مصروفیت نہیں ۔ میں اب بھی حاضر ہوں ۔ لیکن پیشتر ازیں کہ میں اس مسئلہ پر مزید روشنی ڈالوں ۔ میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ آپ نے میرا عمل ان مراسم نماز میں کیا دیکھا ۔

نومسلم ۔ آپ کے ہاتھ کان کی طرف تو بار بار نہیں جاتے ۔ نہ آپ مقتدیوں میں ہوتے ہیں ۔ کہ جس سے معلوم ہو کہ آیا آپ آمین اونچی کہتے ہیں ۔ یا نیچی البتہ جب آپ تنہا نماز پڑھتے ہیں تو اس وقت میں نے غور کیا کہ آپ کے ہاتھ کبھی زیر ناف ہوتے ہیں ۔ کبھی چھاتی پر ۔ ہاں ہماری جماعت میں ایک دو عورتیں اور بھی ہیں ۔ مسٹر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جن کے ہاتھ اکثر کھلے رہتے ہیں ۔

میں ۔ میں نے یہ سوال بھی اسی لئے کیا تھا کہ تا آپ سمجھ جائیں ۔ یہ باتیں اصول مذہب میں داخل نہیں ۔ اس اختلاف سے نماز میں خلل نہیں ہوتا ۔ اگر یہ اہم باتیں ہوتیں۔ تو بالضرور ہم مسلم نژادوں میں اس پر کبھی تنازعہ ہوتا ۔ ہم نے یہ مراسم نماز آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے لئے ہیں ۔ یہ سب طریق انہی کے ہیں ۔ انہوں نے ہی نماز میں یہ مختلف انداز اختیار کئے ہیں ۔ جن کی اتباع ہم لوگ کرتے ہیں ۔ بات صرف یہ ہے کہ زید کے نزدیک آنحضرت صلعم کا کثرتِ عمل ایک طرح پر ثابت ہے ۔ اور دوسرے کے نزدیک دوسری طرح پر ۔ یہ سب محبوب کے ہی انداز ہیں ۔ کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ جو انداز میں نے اختیار کیا ہے ۔ وہی صحیح ہے ۔ اور دوسرے انداز آنحضرت صلعم سے ثابت نہیں ۔

نومسلم ۔ یہ تو صحیح ہوگا ۔ جیسے کہ آپ فرماتے ہیں ۔ کیونکہ آپ مشرقی مسلمانوں میں باوجود اس اختلاف کے کبھی ان امور پر تنازعہ نہیں ہوا ۔ نہ آپ نے کبھی آپس میں ان امور کے مٹانے اور ایک طریق عمل کے اختیار کرنے کے لئے "تصفیہ" کیا ۔

میں ۔ اسی لئے یہ اختلاف کوئی اصولی اختلاف نہیں ۔ اور اختلاف تو وہ ہو کہ ان باتوں کو ہم نماز میں خلل انداز سمجھتے ہوں ۔

نومسلم ۔ اچھا ہمارے نبی (صلعم) نے یہ مختلف باتیں کیوں اختیار کیں ۔

میں ۔ اس بات کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ پہلے یہ سمجھ لیں کہ مسلم نماز نے اور ایسا ہی مختلف مذاہب کی عبادتوں نے مختلف شکلیں کیوں اختیار کر لیں ۔ نماز تو ایک قلبی کیفیت ہے ۔ جس کے پیدا کرنے یا قائم رکھنے کے لئے بعض الفاظ زبان پر لائے جاتے ہیں ۔ بعض نادان لوگ تفکر اور دھیان نماز کے لئے کافی سمجھتے ہیں ۔ اور الفاظ کا دہرانا یا دیگر حرکات و سکنات کو ایک رسمی نماز کہتے ہیں ۔ انہوں نے انسانی سائیکالوجی پر کبھی غور ہی نہیں کیا ۔ آپ خود تجربہ کر لیں کہ الفاظ اور ان کے مفہوم کو زیر نظر رکھنا "تفکر" اور دھیان کو پیدا کرتا ہے ۔ وہ خالی خولی "تفکر" نہیں پیدا کر سکتا ۔ انسانی دماغ کبھی خالی رہتا ہی نہیں ۔ کوئی نہ کوئی خیال اس پر مستولی رہتا ہے ۔ کسی خاص خیال کو انسانی دماغ پر مسلط کرنے کا صحیح اور آسان طریق یہی ہے کہ اس خیال کو الفاظ کا جامہ دیدیا جائے ۔

اور پھر ان الفاظ کو زبان پر لایا جائے۔ یہی علت غائی نماز کے چند فقرات دہرانے کی ہے۔ قلبی کیفیت کا اظہار انسان کے جوارح سے ہوتا ہے۔ بعض وقت بعض حرکات جوارح خاص کیفیت پیدا کرنے کا موجب ہوتی ہے۔ ایک لیکچرار کو آپ پلیٹ فارم پر دیکھ لیں۔ اس کے ہاتھ اسکی آنکھیں اس کے چہرہ کے مختلف حصے اضطراراً کیا کیا نئے نقشے اختیار کرتے ہیں۔ یہ نہ صرف اس کی دلی کیفیت کا اظہار ہوتا ہے۔ بلکہ سامعین پر بعض وقت یہ حرکات وسکنات اس کے الفاظ سے کہیں زیادہ تاثیر بخش ہوتی ہیں۔ ادب کا اظہار سر جھکانے سے ہوتا ہے۔ لیکن اگر آپ نے انسانی سائیکالوجی پر غور کیا ہوگا۔ تو آپ سمجھ لیں گے کہ بعض وقت ان حرکات کے ادا کرنے سے جو کسی خاص جذبۂ قلب کے لئے انسانی سوسائٹی نے تجویز کیا ہو۔ وہی جذبہ اور کیفیت دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً کیفیت ادب سر کو جھکاتی ہے۔ اور سر کا جھکانا خود بخود کیفیت ادب کو دل میں پیدا کر دیتا ہے۔ عربی زبان بھی بڑی خوبصورت زبان ہے۔ اور بڑے بڑے حقائق اپنے اندر رکھتی ہے یہ جو ہم اپنے سر کو زمین پر رکھتے ہیں۔ عربی میں اس فعل کا نام سجدہ ہے۔ اور لفظ سجدہ کے ایک معنی اطاعت کرنے کے ہیں۔ گویا اطاعت کا اظہار سجدہ سے ہوتا ہے۔ اور سجدہ کیفیت اطاعت کرتا ہے۔ نادان ہیں وہ لوگ جو ارکانِ نماز کو ایک رسمی بات سمجھتے ہیں۔ کوئی شکل نماز کی اختیار کی جائے۔ آخر وہ بھی ایک صورت ہوگی۔ لیکن اگر خدا کا نبی خدا سے علم پاکر عبادت کے لئے کوئی شکل تجویز کرے۔ تو پھر وہ شکل کسی اتفاقی خیال یا فوری تجویز وتحریک کا نتیجہ نہ ہونا چاہیئے بلکہ وہ باتیں وہ ہوں جن کی صداقت پر علم النفس والقویٰ کی حقائق مہر کریں یعنی عبادت میں جسمانی حرکات وسکنات ان جذبات وکیفیات کے مولد اور مؤید ہوں جو نماز میں پیدا ہونی چاہئیں۔ روح نماز تو ادب اور اطاعت ہے۔ جو بعض وقت خوف سے اور بعض وقت محبت سے پیدا ہوتی ہے۔ بعض وقت انسان میں ایک صاحب جبروت حاکم کے سامنے کھڑے ہو کر بیکسی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اب یہ تین کیفیات محبت واطاعت۔ بیکسی لازماً تین مختلف شکلیں اظہار کے وقت اختیار کرینگی۔ شاید آپ کو مختلف اقوام اور ممالک کے دیکھنے کا موقعہ نہ ملا ہوگا۔ مجھے ایسا اتفاق ہوا ہے۔ جب کوئی شخص کسی حاکم کے سامنے کھڑا ہو کر اپنے اعضاء سے اظہار اطاعت کرنا چاہے۔ تو خواہ وہ ہندستانی

ہو یا انگلستان مشرق میں ہو یا مغرب میں۔ اس کے دونو ہاتھ ناف پر آ کر جمع ہو جاتے ہیں کمال محبت کا اظہار ہاتھوں کو سینہ پر جمع کر لیتا ہے۔ ہاں جب انسان پر سخت خشیت اور خوف طاری ہو جئے کہ وہ اپنی ذات کو بھی بھول جائے۔ تو پھر ممکن نہیں کہ اس کا قابو اس کے ہاتھوں پر ہو۔ نہ ہاتھ چھاتی پر رہیں گے نہ ناف پر۔ اضطرارًا ہاتھ کھل جائیں گے۔ نماز پڑھنے والے پر اگر حقیقی کیفیت سے اطاعت یا محبت یا بیکسی طاری ہو جائے۔ تو پھر اضطرارًا اس کے ہاتھ جو بھی شکل اختیار کریں صحیح ہے۔ نماز تو قلبی کیفیت ہے۔ اور یہ حرکات اس کیفیت کے اظہار کی شکل یا اس کے متممات د مکملات ہیں۔

نومسلم ۔ ہم سب آپ کے از حد مشکور ہیں۔ بہت دقتیں آج حل ہو گئیں۔ اس سے تو یہ پایا گیا۔ کہ ہم نماز کے وقت ان مروی طریقوں میں سے جو بھی طرز اختیار کریں۔ اس سے نماز ساقط نہیں ہوتی۔ لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔ کہ کیوں مسٹر۔ - - - - - ہمیشہ نماز میں ہاتھ کھلے رکھتا ہے اور مسٹر۔ - - - کے ہاتھ ہمیشہ سینہ پر ہوتے ہیں اور بعض ہمارے بھائیوں کے ہمیشہ ہاتھ ناف پر ہوتے ہیں آپ کے ہاتھ بھی زیادہ تر ناف پر ہوتے ہیں اور کبھی کبھی سینہ پر لیکن آپ کے ہاتھ کبھی کھلے نہیں دیکھے۔

میں ۔ آپ نے تو کمال ہی کر دیا۔ کس طرح آپ ہمارے ہر سکون و حرکت کو دیکھتے رہتے ہیں۔ ہاں بات بھی ٹھیک ہے۔ یہ طریق بھی مذہب سیکھنے کا نہایت عمدہ ہے۔ آپ کا سوال بجا ہے۔ اگر حضور قلب سے نماز پڑھی جائے۔ اور پڑھنے والے کی قلبی کیفیات بھی مختلف جلوہ آرائیاں کریں تو لازمًا ہاتھوں کی نشست ہر نماز میں یکساں نہ ہو گی۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ہر رکعت میں ہاتھوں کی صورت بدل جائے گی۔ بلکہ ایک ہی رکعت میں اگر ایک شخص نہایت تذلل سے جناب باری کے آگے ہاتھ ناف پر رکھ کے کھڑا ہو اپنا عجز اپنی گنہگاری اور اپنی نااہلیت ایک طرف اس کے سامنے آجائے دوسری طرف جبروت الٰہیہ اور خشیت ربی اس پر طاری ہو تو ممکن نہیں کہ اس کے جسم میں ایک قسم کی سنسناہٹ نہ ہو۔ اس کے جسم کے بال کھڑے نہ ہو جائیں۔ اور اس کا دل رُعب الٰہی سے نہ بھرا ہو۔ یہ وہ حالت ہے۔ کہ جب انسان کا نہ اپنے جسم پر قابو رہ سکتا ہے۔ نہ اس کے ہاتھ اس کے قبضہ میں رہیں گے۔ ہاتھ کھل جائیں گے۔ اس وجدانی کیفیت میں انسان بعض دقت منٹوں کھڑا رہتا ہے۔ اسی حالت

کا نام نماز۔ اسی حالت کے پیدا کرنے کے لئے یہ مختلف قیام۔ قعوُد۔ رکوع وسجود ہوتے ہیں۔ روحانی کیفیات پیدا کرنے میں جسمانی اوضاع کا خاص تعلق ہے۔ اختلاف طبائع اور اختلاف خلقت وجسمانی کو بھی اس سے خاص تعلق ہے۔ بعض لوگوں میں جو کیفیت قلب سجدہ کے وقت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ دوسرے قیام یا قعوُد میں حاصل کر لیتے ہیں۔ بعض کے لئے رکوع زیادہ موزوں ہے۔ اس لئے اسلام نے جو اپنے ہر شعار میں ہمہ گیری لئے ہوئے ہے۔ نماز میں جسمی حرکات کی ساری اوضاع کو جمع کر لیا ہے۔ میری طبیعت کے مطابق سجدہ زیادہ موزوں ہے۔ یہ جو میں نے قلبی کیفیت کا اُوپر بیان کیا ہے۔ یہ کوئی قصّہ کہانی نہیں۔ میں ان کیفیات سے ایک حد تک آشنا ہوں کبھی کبھی نماز تنہائی میں ایسی کیفیت ربودگی پیدا ہوئی ہے۔ کہ میرے ہاتھ کھل گئے۔ چونکہ یہ کیفیت اپنے اختیار میں نہیں۔ نہ محبت ہر نماز میں جوش زن ہوتی ہے۔ اس لئے میں جب نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو اطاعت کے رنگ میں کھڑا ہوتا ہوں۔ اس لئے میرے ہاتھ زیر ناف ہوتے ہیں۔

نومسلم ۔مسٹر۔ ۔۔ ۔۔ کے ہاتھ ہمیشہ چھاتی پر ہوتے ہیں۔ اور ایسا ہی مسٹر۔۔ ۔۔ ہمیشہ ہاتھ کھلے نماز پڑھتے ہیں۔ کیا ان کا اپنے دِل پر اسقدر قابو ہے کہ جب وہ نماز میں کھڑے ہوں۔ ہمیشہ اپنے دِل کو محبت یا بیکسی کی کیفیت سے رنگین کر لیں۔ یہ تو امر ناممکن سا ہے۔ بصوُرت دیگر نماز میں کوئی رُوح نہ ہوگا۔ بلکہ مشین کی حرکات رہ جائیں گی۔

میں ۔ یہ آپ نے پتہ کی بات کہی۔ مسلم ہو یا غیر مسلم نماز یں بہت حد تک ایک مردہ حالت میں پڑھی جاتی ہیں۔ جیسا کہ آپ نے مشین کی حرکات کے ساتھ مشابہت دی ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا۔ یہ سب کے سب حرکات وسکنات آنحضرت (صلّے اللّٰہ علیہ وسلم) سے ہی مروی ہیں۔ صرف بعض کے نزدیک ایک عمل کثرت سے ثابت ہے۔ بعض کے نزدیک دوسرا۔ چونکہ نماز میں صاحب حال تھوڑے ہوتے ہیں۔ اس لئے جس مجتہد یا محقق کا کوئی مقلد ہوتا ہے۔ اس کی تقلید میں کوئی عمل اختیار کر لیتا ہے۔ یہ سب باتیں جائز ہیں۔ جو کیفیتِ قلب آپ کی نماز کے وقت ہو۔ آپ اختیار کر لیں۔ یہ جو کچھ میں نے کہا ہے۔ اپنی قلبی کیفیت کے مطالعہ پر کہا ہے۔

نومسلم ۔ ہاتھ کانوں کی طرف لے جانے کی غرض کیا ہے۔ آپ تو صرف نماز کے

شروع میں ایسا کرتے ہیں۔ بعض نماز میں جسم کی ہر وضع بدلنے پر ایسا کرتے ہیں۔

میں ۔ اصل میں یہ فعل کسی امر سے دستکش کرنے کے اظہار میں کیا جاتا ہے۔ جب انسان کسی دوسرے پر یہ ظاہر کرنا چاہے کہ میں فلاں کام سے ابرا کرتا ہوں۔ یا میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اور اس اظہار ابرا پر زور دینا چاہے۔ تو طبعًا اور اضطرارًا اس کے ہاتھ کانوں تک جاتے ہیں۔ ہم نماز کے وقت دنیا جہان سے کنارہ کشی کر کے خدا کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور اس کنارہ کشی کے اظہار کے لیے شروع نماز میں ہمارے ہاتھ کانوں کی طرف جاتے ہیں۔ کہ اب ہم دنیا کو چھوڑ چکے ہیں۔ چونکہ حرکات جسم انسان کے خیالات کو بھی بعض وقت بدل دیتے ہیں۔ اور اس سے یکسوئی نہیں رہتی۔ اس لیے کیا حرج ہے کہ انسان نماز میں جسم کی ہر وضع بدلنے پر ان بیرونی خیالات سے کانوں پر ہاتھ دھرلے جنہوں نے اس کی طبیعت کو ممکن ہے اپنی طرف کھینچ لیا ہو۔ اگر یہ باتیں حضور قلب سے ہوں۔ تو پھر نماز میں روح پیدا ہو جاتی ہے۔ ورنہ مشین کی گردش۔ وضو میں بھی گویا دنیا سے ہم ہاتھ دھوتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

نومسلم ۔ اب ایک بات رہ گئی جو محتاج روشنی ہے۔ ہم نے تو آج آپ کو بہت ہی تکلیف دی۔ اور بہت ہی فائدہ ہوا۔ اسلامی باتیں تو نہایت اعلےٰ درجہ کی حکمت اپنے اندر رکھتی ہیں۔ گرجاؤں میں بھی نماز ہوتی ہے۔ اس میں بھی بعض ارکان ہوتے ہیں۔ لیکن جب کبھی کسی بڑے سے بڑے پادری سے بھی ان کی وجہ دریافت کی گئی۔ تو خشک منطق کے سوا ان سے کچھ جواب نہیں بنتا۔ جو باتیں ان کے ہاں محض رسمیات ہیں۔ وہ اسلام میں تو حقیقت و حکمت نظر آتی ہیں۔ اب آخری بات اونچی آواز آمین کہنے کے متعلق ہے۔

میں ۔ یہاں تو نادر ہی موقعہ کسی دوسرے کے پیچھے مجھے نماز پڑھنے کا ملا۔ لیکن ہندوستان میں میں دوسروں کے پیچھے نماز پڑھتا ہوں۔ میں نے آمین بالجہر بھی کہی ہے۔ اور اس کے برعکس بھی۔ میں اپنی قلبی کیفیت آپ کو عرض کر دیتا ہوں۔ اصلی حقیقت سے خدا یا اس کا رسول (صلعم) آشنا ہے اگر انسان کے دل میں حقیقی خشیت اور خوف طاری ہو تو اس کا اثر لازمًا اس کی آواز پر پڑتا ہے۔ اس کی آواز ہلکی ہو جاتی ہے۔ اور اس قابل نہیں رہتی کہ اس کا ہمسایہ بھی اس کی آواز کو سن سکے۔

خوشی کا رنگ اظہار جہری چاہتا ہے ۔ محبت کے نقشے بھی دونوں ہی قسم کے ہوتے ہیں۔ کہیں خفا ہوتا ہے۔ کہیں اظہار سورۂ فاتحہ ایک دعا ہے ۔ آمین کے معنے ہیں ۔ اے خدا تو ایسا ہی کر ۔ یعنی امام اصالتاً یا اور وکالتاً بارگاہِ الٰہی میں اپنی طرف سے اور مقتدیوں کی طرف سے عرض حال کرتا ہے ۔ اور مقتدی آمین کہتے ہیں ۔ بعض وقت ایک سائل اپنی مصیبت اور مایوسی سے تنگ آکر اپنے درد دل کو گلا پھاڑ پھاڑ کر بیان کرتا ہے ۔ اس سے یہ مُراد نہیں ہوتی ۔ کہ سننے والا اونچا سنتا ہے ۔ بلکہ یہ کہ سنانے والا بلند آوازی سے اپنا اضطراب قلب ظاہر کرتا ہے ۔

نومسلم ۔ کیا عجیب بات ہے ۔ یہ ہی تو آپ کے مقتدی نماز میں مختلف الحرکات ہوتے ہیں ۔ لیکن آپس میں ایک دوسرے کے فعل پر نکتہ چینی نہیں کرتے ۔ اور بات بھی ٹھیک ہے ۔ یہ ممکن نہیں کہ نماز میں سب مقتدیوں کی کیفیات قلبی یکساں ہوں ۔ تو پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ رفع یدین یا آمین کہنے میں یا ہاتھوں کے باندھنے میں سب کا طرز عمل ایک ہی ہو ۔ ہاں نماز پڑھنا اگر مشینی حرکات کا رنگ اپنے اندر رکھتے تو بالضرور سب کے سب حرکات ایک ہی قسم کے ہوتے ۔ چنانچہ عیسائی گرجاؤں میں اس بات کا بڑا اہتمام رہتا ہے کہ جو ان کے مقررہ حرکات ہیں ۔ ان میں فرق نہ آئے ۔ یہ جو عیسائیوں میں مختلف فرقے ہیں ۔ ان کے مراسم نماز بھی جدا جدا ہوتے ہیں ۔ بلکہ ان امور پر یہاں تک زور دیا جاتا ہے کہ ایک کے نزدیک دوسرے کی نماز ہوتی ہی نہیں ۔ بلکہ کسی مقتدی کی کسی گرجا میں کیا مجال ہے ۔ کہ وہ مراسم نماز میں کسی دوسرے فرقے کا طریق عمل اختیار کرے ۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارا مذہب (اسلام) ان تنازعات سے پاک ہے ۔ (اس گفتگو میں باقی حاضرین نے بھی حصہ لیا تھا ۔ لیکن میں نے سب جگہ یہاں لفظ نومسلم لکھا ہے خواہ بولنے والا مرد تھا یا عورت)

آہ ! یہ آخری فقرہ کس قدر چوٹ میرے دل پر لگا یا ۔ ہمارے احباب بعد از نماز عصر چائے پی کر رخصت ہوئے ۔ اور میں گھنٹوں ان تنازعات اور مقدمات پر سوچتا رہا ۔ جنہیں ہم بغرض حصول ثواب شوق سے کیا کرتے تھے ۔ کس طرح آج سے تیس چالیس برس پہلے وہ مسجدیں دُھلائی گئیں ۔ جہاں کسی نے آمین بالجہر یا رفع یدین کی ۔ کس ظالمانہ جرأت سے ایک شخص نے لاہور کی ایک مسجد کے دروازہ پر اعلان لکھ دیا کہ اس مسجد میں کوئی ایسا شخص داخل نہ ہو

جو حنفی طریقہ پر ارکانِ نماز ادا نہ کرتا ہو۔ وہ بلوے وہ دنگہ فساد وہ جھگڑے ابھی تک یاد میں ہیں۔ جو انہی باتوں پر ہماری مسجدوں میں ہوا کرتے تھے۔ کیا شان ربی ہے۔ کہ آمین بالجہر کا مقدمہ الہ آباد اور کلکتہ ہائیکورٹ تک نہیں بلکہ پریوی کونسل لندن تک پہنچے۔ اور وہاں مسلمان نہیں بلکہ عیسائی ججوں کی کونسل یہ فیصلہ کرے۔ کہ آمین بالجہر ساقطِ نماز نہیں۔ یہ سب اختلافی باتیں مُسلّم طور پر سنن نبویہ ہیں۔ اور ہر ایک مسلمان کو حق پہنچتا ہے۔ کہ ہر ایک مسجد میں جاکر اپنے فرقے کے انداز پر نماز ادا کرے۔

نادان نہیں سمجھتے کہ کسی مذہب میں یہ وہ امُور نہیں ہو سکتے کہ جس سے کوئی فرق پیدا ہو۔ جب یہ ساری باتیں سُنّتِ نبویہ ہیں۔ تو یہ کس قدر گستاخانہ جرات ہے۔ کہ ہم جو فعل نہ کریں۔ اس پر نکتہ چینی کریں۔ یہ تو ایک پیارے محبُوب کے مختلف خط وخال اور انداز ہیں۔ یہ تو ممکن بلکہ طبعی امر ہے۔ کہ کسی کو محبُوب کا کوئی انداز بھا گیا ہو۔ کسی کی نگاہ میں کوئی ادا کھب گئی ہو۔ لیکن یہ سچی محبت اور حقیقی عشق اس امر کی اجازت نہیں دیتا۔ کہ عاشق اسی محبوب کی دوسری اداؤں پر نکتہ چین ہو۔ مجھے ایک ادا نے اپنا شکار کر لیا ہے۔ لیکن میں اگر حقیقی عاشق ہوں۔ تو اس کی سب اداؤں کے آگے سر جھکاتا ہوں۔ میرے نزدیک جو اہل حدیث کسی حنفیُ المذہب کی انداز ادائے گی نماز پر حرف گیری کرتا ہے وہ مذہب عشق میں غدار ہے۔ اسی طرح جو حنفی المذہب کسی رفع یدین یا آمین بالجہر پر برافروختہ ہوتا ہے۔ وہ نیک فعل نہیں کرتا۔ حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات کی توہین کرتا ہے۔

کیا یہی باتیں نہیں جو ہم مسلمانوں میں بنائے فساد ہوئی ہیں۔ جنہوں نے قبیلوں اور خاندانوں کو جدا کر دیا۔ اور مسلمانوں کو ضعف اور ادبار تک پہنچایا۔ حالانکہ اس کو اصول مذہب سے چنداں تعلق نہ تھا۔

اب میں اِس کتاب کے پڑھنے والوں سے چند باتیں پوچھتا ہوں۔ کیا جو باتیں میں نے فرانس میں امریکن فاضل سے اختلاف شیعہ سُنّی کے متعلق کیں وہ صحیح ہیں یا غلط کیا جو وجوہ اختلاف میں نے ان دو گروہوں میں بتلایا وہ صحیح نہیں؟ اب اگر میں نے کوئی امر نہیں چھپایا تو کس قدر شرمناک بات ہے کہ ایک امریکہ کا رہنے والا تو چند منٹوں میں شیعہ۔ سُنّی کے اختلاف کی حقیقت سے آشنا

ہو کر جھٹ فتویٰ دیدے کہ اس اختلاف پر شیعہ ۔ سُنّی دو فرقوں کا نام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وجہ اختلاف کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں ۔ کیا یہ سچ بات نہیں ۔ کہ آنحضرت نے تعلیم اسلام کو مکمل حالت میں چھوڑا۔ اور ایک بھی بات ایسی نہیں جس کا ماننا میرے لئے جزو ایمان تو ہو اور ختمی مآب علیہ الصلوۃ والسلام نے تعلیم نہ کیا ہو یہ ظاہر ہے کہ خلافت کا معاملہ آنحضرت کی زندگی میں پیدا نہیں ہوا۔ پھر اگر میرے ایمان کے لئے تعلیم آنحضرت ہی کافی ہے ۔ تو پھر میرے لئے یہ کہاں ضروری ہے کہ میں خلافت کے معاملہ میں بھی کوئی رائے رکھ کر اسکو جزو ایمان ٹھیراؤں مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) اور علی (کرم اللہ وجہہ) کے حقوق کا انفصال آج کروں جس طرح مصلحت الٰہی نے چاہا ہو گیا۔ آج اگر اس تیرہ سو برس کے فیصلہ شدہ امر کا از سرِ نو فیصلہ کرنے سے کچھ ہمیں فائدہ ہو تو سب سے پہلے میں اس امر پہ ساعی ہوں گا۔ ہاں صدیق اکبرؓ تو صدیق اکبرؓ ہیں کسی کافر کو بھی بُرا بھلا کہنا تعلیم قرآن کے خلاف سمجھتا ہوں۔

لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (۶: ۱۰۸)

ہاں محبت کے جھگڑے ہیں ۔ محبت کسی کے بس میں نہیں ۔ اگر آنحضرتؐ کے بعد جناب علی کرم اللہ جیسا محبوب کوئی اور کسی کو نظر نہیں آتا۔ جس کے اس کا میلان طبع تفضیلی شیعیت کی طرف جا رہا ہے اس میں میرا کیا ہرج ۔ وہ میرے محبوب کی محبت میں مجھ سے زیادہ سرشار ہونے کا مدعی ہے ۔ میں سب صحابہؓ کو ایک محبت سے دیکھتا ہوں ۔ وہ سب کے سب میرے محبوب ہیں ۔ میرے بھائی نے ان میں سے ایک کو محبوب ترین قرار دے دیا ہے ۔ رنج تو بغض اور کینہ پر ہونا چاہیئے۔ محبت پر کیوں رنج ہو۔ جزوی فضیلت ہر جگہ جائز ہے ۔ امت محمدیہ کے ایک ولی کو دوسری اُمتوں کے کسی نبی پر ہو سکتی ہے ۔ میری نگاہ میں یہ چاروں خلفاؓ ایک ہی طرح قابل عزت ہیں ۔ پھر بھی میں ان چاروں کو ایک دوسرے پر جزوی فضیلت دے سکتا ہوں ۔ یہ ابوبکرؓ کی ہی شان ہے ۔ کہ اسلام کو وفاتِ نبوی پر ارتداد سے بچاتے ہیں ۔ جہاں جناب عمرؓ جیسا لغزش کھا کر تلوار نکالتا ہے آخر اس میں کوئی بات تھی جو بارگاہ رسالت سے وہ صدیقؓ کا لقب پاتے ہیں ۔ کیا جس محبت اور جُرات سے ہجرت کی رات ابوطالب کا بیٹا (کرم اللہ وجہہ) آنحضرت کی چارپائی پر سو کر

عشقِ رسولؐ میں اپنی موت کو اپنے پاس بلاتا ہے ۔ یہ کوئی کم فضیلت ہے ۔ پھر اگر اس فضیلت کا مقابلہ کسی اور کی فضیلت سے ہو سکتا ہے ۔ تو وہی مقدس ہے ۔ جس کے لئے معیت الیہ پہ اِنَّا اللهَ مَعَنَا والی آیت شہادت دے رہی ہے ۔ پھر جناب امیرؓ کے سر پہ بھی علمی فضیلت کا تاج ہمیں رکھنا پڑتا ہے ۔ آخر مدینۃ العلم کا باب آپ کے سوا اور کوئی نہیں ۔ آج جس حفاظت قرآن پر ہمیں ناز ہے ۔ اس خدمت کی فضیلت ذوالنورینؓ کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ[1] کا علمی مفسر جناب عثمانؓ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے ۔ جناب عمرؓ کی جہان بانی اور نصفت شعاری آپ کے صحیح محاکمہ پر نہ صرف تاریخ زمانہ ہی شاہد ہے بلکہ موٴخرالذکر پر قرآن کریم شاہد ہے ۔ اگر خدا کا وعدہ تھا کہ اسلام بہت جلد دنیا کے چار گوشوں میں پہنچ جائے جیسا کہ قرآن سے ظاہر ہوتا ہے ۔ تو پھر اس وعدہ ربانی کو پورا کرنے کی عزت و فضیلت کا تاج خلیفہ ثانیؓ کے سوا کسی کو اور کے سر پہ نظر نہیں آتا ۔ سب صحابہؓ کرام ہمارے سر تاج ہمارے لئے قابل عزت ان میں سے ایک کو دوسرے پر جزوی فضیلت حاصل ہے ۔ کیا ہرج ہے ۔ اگر زید یا بکر جناب صدیق اکبرؓ سے تو بغض نہیں رکھتا ۔ ہاں اس کی محبت کسی تحقیق کی بنا پر اسے جناب امیر علیہ السلام کو دوسروں پر کوئی خاص فضیلت دینے پر مجبور کرتی ہے یہی تنازعہ بہت حد تک ان فقہی اختلافات کا بھی ذمہ وار ہو گیا ہے ۔ جو شیعہ ۔ سنی اصحاب میں پائے جاتے ہیں ۔ باغ فدک کے معاملہ نے ہی بعض مسائل ارث پر ایک خاص اثر ڈالا ہے ۔ لیکن یہ مسائل ارث اس قابل نہیں کہ اتحاد و محبت فریقین پر کوئی برا اثر ڈالیں کیونکہ ان معاملات ارث میں عموماً کسی ایک ہی خاندان کے ممبر ہوتے ہیں ۔ جو ایک ہی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں ۔ کیا آج بد قسمتی سے سنی ۔ شیعہ خاندانوں نے علی الخصوص زرعی وراثت میں رواج کو شریعت پر ترجیح نہیں دی ۔ جب یہ بدعت اور میرے نزدیک تو ہیں ۔ شریعت کسی فساد مذہبی کا موجب نہیں ہو سکتی ۔ تو پھر شیعہ ۔ سنی مسائل ارث کا اختلاف کیوں موجب فساد سمجھا جاوے ۔ بعض اور رسمی اختلافات بھی شیعہ سنی میں ہیں ۔ لیکن ان کو مذہب سے کیا تعلق ۔

میں ان اختلافات سے بھی واقف ہوں ۔ جو مسئلہ رویت یا عدالت یا امامت کے متعلق

[1] (البروج) ۸۵ : ۲۱-۲۲

ان دو گروہوں میں ہیں۔ لیکن یہ فلسفیانہ جھگڑے اور منطقیانہ بحثیں ہیں۔ ہیچو قسم باتوں میں تو خود سُنّی متکلمین کا آپس میں اختلاف ہے۔ اگر ایک طرف بو علی سینا کی باتیں ہیں۔ دوسری طرف ابن رشد بھی تو موجود ہے۔ اس سے کہاں اس کے ہم فرقہ اتفاق رکھتے ہیں۔ پھر عامۃ الناس بلکہ میں کہہ سکتا ہوں۔ کہ ننانویں فی صدی شیعہ۔ سُنّی اصحاب کو ان نظری بحثوں سے کیا تعلق۔

دراصل ایک خلافت کا ہی معاملہ ہے۔ جو ضرورت سے زیادہ پیچیدگیاں ہم میں ڈال رہا ہے۔ جس کے باعث آج سُنّی۔ شیعوں میں وہ عناد ہے۔ جو دو دشمن مذاہب میں شاید ہو۔ کیا جو پولٹیکل نقصان دونوں جماعتوں کو صدیوں سے پہنچا ہے۔ اس کا ذمہ دار یہی تنازعہ نہیں۔ ایران خود مختار ہونے کے باوجود بھی ایک ہندوستانی ریاست سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ روسی مظالم نے جس طرح ایران کو تباہ کیا وہ محتاج بیان نہیں۔ ترکوں کا جو آج حال ہوا۔ وہ ظاہر ہے۔ بہرحال ان باتوں پر زور دینے کی ضرورت نہیں میں ایک لفظ میں یہ کہہ سکتا ہوں۔ کہ اسلامی سلطنتوں کی تباہی کا بڑا موجب یہی سُنّی۔ شیعہ کے تنازعات ہیں۔ جاسوسی کا بڑا کام غیر قوموں کے لئے انہی دو گروہوں نے ایک دوسرے کے خلاف کیا ہے۔ اور آج بھی ہو رہا ہے۔

آج مشترکہ مصیبت نے ہندو مسلمانوں کو جمع کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ مسلمانانِ ہند کہاں تک اس اتحاد سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔ کون کہہ سکتا ہے۔ کہ مسلمان ہندوؤں کے ہاتھ میں ہندو اغراض پورا کرنے کے لئے آیا کٹھ پتلی کا کام دے رہے ہیں۔ یا ہندو مسلمان دل سے بھائی بھائی ہو چکے ہیں۔ مسلمان سیدھا سادھا ایچ پیچ سے ناآشنا۔ جری القلب اور اس لئے دوسرے پر جلد اعتبار کرنے والا طبعًا واقع ہوا ہے۔ بالمقابل ہندو بھائیوں کو ہزار دو برس غیروں کے زیر حکومت رہنے نے زیادہ محتاط زیادہ ہوشیار۔ ضرورت سے زیادہ صاحب تدبیر بنا رکھا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ کس طرح ہوا کا رُخ دیکھ کر حسب ضرورت وقت کسی نئے قالب کو اختیار کر لیں۔ اور ساتھ ہی اپنی حیثیت کو بھی قائم رکھیں۔ اور اپنی بات بھی نہ گنوائیں۔ ہاں ایک مسلمان جو کسی کی محبت کے اظہار پر اور خدا ہی جانتا ہے کہ وہ اظہار صحیح ہے۔ یا غلط اپنے مفاد قربان کر سکتا ہے۔ یہ سب باتیں قومی نقطہ خیال سے صحیح ہیں۔ اگر میں اور رجال کی

ملوث ان میں نہ ہو۔ علاوہ ازیں کسی کا کیا حق ہے۔ کہ کسی کی نیت پر کوئی حملہ کرے۔ ہمیں اس اتحاد ہندو و مسلم کو عزت سے ہی دیکھنا چاہیئے۔ اور اسے نیک نیتی پر ہی محمول کرنا چاہیئے۔ اگرچہ عدم تعاون کے معاملہ میں مسلمانوں کا اپنے روزگار کو چھوڑنا اور ہندو بھائیوں کا نادر طور پر اس معاملہ میں شرکت کرنا شکوک افزا ضرور ہے۔ ہندو بھائیوں کو چاہیئے کہ عملاً ان باتوں کا ثبوت دیں۔ جس کی طرف وہ مسلمانوں کو بلا رہے ہیں۔ مسلمانوں کا یہ ضروری فرض ہے کہ وہ اپنی حیثیت کو قائم رکھیں۔ بہرحال میں اس مضمون پر ایک مستقل رسالہ عنقریب لکھوں گا۔ یہاں مجھے صرف اسی قدر کہنا ہے۔ کہ اگر ضروریات قومی و ملکی اور ایک حد تک مذہبی ہمیں ہندو مسلمانوں کے اتفاق سے آئی ہیں تو کیا خود مسلمانوں میں اتحاد کی ضرورت نہیں۔ کسی قدر ظلم ہے۔ کہ مسلمان ہندوؤں کے تو بھائی بنیں۔ اور خود ایک دوسرے کے دشمن ہوئے جاویں۔

مذہب ہی دنیا میں رشتہ اتحاد پیدا کرتا ہے۔ وحدت اعتقاد ہی دو دشمنوں کو بھائی بنا دیتی ہے۔ بالمقابل مخالف مذہب ہی بنا رفساد و نفاق ہوا ہے۔ لیکن ہندو بھائیوں کو ملکی سیاسی اور قومی ضروریات نے جو وہ گذشتہ کئی ہزار برس سے محسوس کر رہے ہیں۔ انہیں سخت اختلاف اعتقاد پر بھی جو اُن میں ہے۔ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونے دیا۔ شیعہ۔ سُنی مقلد غیر مقلد یا دیگر اسلامی جماعتوں میں جو ان اختلافات ملیہ کا ہزاروں حصہ بھی نہیں۔ جو ہندوؤں کے مختلف فرقوں میں ہزار ہا برس سے پایا جاتا ہے۔ ایک دہریہ بھی ہندو ایک خدا پرست بھی ہندو ۔ وید مقدس کو الہامی کتاب ماننے والے اور اسے انسانی خیالات کا مجموعہ بتانے والے دونوں یکساں ایک دوسرے کی عزت کرنے والے ہندو ہیں۔ آواگون کا قائل اور اس کا منکر۔ شرادھ کرنے والے اور اس پر ہنسی اڑانے والے اوتاروں پر ایمان رکھنے والے اور انہیں عزت نہ دینے والے بلکہ ان پر نکتہ چینی کرنے والے۔ الغرض کہاں تک ان اختلافات کو گنتا جاؤں۔ جو مختلف فرقہ جات ہنود میں آج ہزاروں برس سے موجود ہیں۔ اُن کا نام فرقی اختلاف رکھنا ہی غلط ہے۔ میں نے کئی دفعہ غور کیا کہ میں ان امور مشترکہ کی تلاش

کروں ۔ جو ہندو مذہب کے مختلف فرقہ جات میں متحد ہوں ۔ مجھے تو کوئی امر عقیدے کے رنگ میں ایسا نظر نہیں آتا ۔ جو کل فرقہ جات ہنود میں مشترک ہو ۔ ہاں ایک لفظ ہندو ہے ۔ جو ان افراد اضداد کو جمع کر رہا ہے ۔ ورنہ ہر طرف ہندو مذہب میں نقار ہی نقار نظر آتا ہے ۔ بالمقابل ان امور متفقہ پر غور کرنا چاہیئے جو مسلمانوں کے مختلف فرقہ جات میں موجود ہیں ۔ ہم سب کا ایک خدا اسکی صفات مندرجہ قرآن پر ہم سب کا یکساں ایمان ۔ آنحضرت صلعم اور آپؐ کے ختم نبوت کو ہم سب ماننے والے ۔ آپؐ کے بعد کسی رسالت یا کتاب کے ہم سب قرآن کو خاتم الکتب اور اسے کامل اور مکمل شریعت مانتے ہیں ۔ ہر قسم کی مذہبی ہدایت کے لئے ہم سب کے سب قرآن اور سنت نبویہ کی طرف دیکھتے ہیں ۔ پانچ ارکانِ اسلام کے ہم سب قائل ہیں ۔ خدا کی ذات کے بعد ہم سب ملائکہ کتب رسل ۔ یوم آخر ۔ تقدیر خیر و شر ۔ حشر اجساد ۔ پر ہم سب کا ایمان ہے ۔ ہم سب کا ایک ہی کعبہ ہے ایک ہی قسم کی چیزوں کو حلال و حرام سمجھتے ہیں ۔ طرزِ عبادت بھی ہم سب کی ایک ہی ہے ۔ وغیرہ وغیرہ ۔ اب خدارا سوچو ۔ وہ کونسی بات رہ گئی ۔ جو ہمارے ایمان و اسلام کے لئے تو ضروری ہے ۔ اور تم سب کا اس پر یکساں ایمان نہیں ۔ وہ کونسا امر اب رہ گیا ۔ جو تمہیں مسلمان بنانے کے لئے ضروری ہے ۔ اور جسے میں نے اوپر نہیں گن دیا ۔ اب اگر یہ امور ایک شخص کے ایمان و اسلام کے لئے کافی ہیں ۔ اور یہ وہ باتیں ہیں جن پر ہر ایک فرقہ اسلام کا ایمان ہے ۔ اور وہ اسے نجات کے لئے کافی سمجھتا ہے ۔ تو پھر جن امور سے تم میں یہ مختلف فرقے پیدا ہو گئے ہیں ۔ وہ کہاں تک باعث تفرقہ ہو سکتے ہیں ۔ فروعی امور میں اختلاف تو رحمت ہی رحمت ہے ۔ اگر اصول میں اتفاق ہو ۔ اور یہ وہ رحمت ہے ۔ جس کی طرف نبی مکرمؐ نے اشارہ فرمایا ۔ لیکن ہماری بدقسمتی نے اس رحمت کو زحمت بنا دیا ۔

اسلام نے اپنی تعلیم میں ان تمام وجوہ کو سامنے رکھا ہے ۔ جو انسانی ترقی کا موجب ہو سکتے ہیں ۔ آنحضرتؐ سے بہتر ۔ فطرت انسانی کا واقف کوئی اور معلم روحانی ہمیں نظر نہیں آتا ۔ دنیا میں جہاں تفرقہ اور فساد کا موجب باہمی اختلاف ہوا ہے ۔ وہاں یہی اختلاف ہر قسم کی ترقی کا موجب ہے ۔ اگر خدا تعالےٰ نے انسان کو نفسِ مدرکہ اور قوت خیال بخشی ہے ۔ تو ایک معلم ربانی کا

فرض ہے۔ کہ وہ ذاتی رائے کی عزت کرے اور ذاتی محاکمہ کی اجازت دے ۔چنانچہ ان دونوں امور کی اجازت اسلام نے دی ہے۔ اختلاف رائے ہی موجب ترقی ہے۔ اسی اختلاف رائے کی طفیل مسلمانوں میں اعلیٰ درجے کے محقق۔ مفسر۔ متکلم۔ اور مجتہد پیدا ہوئے۔ انسان کے ہر شعبہ زندگی میں اختلاف ہی۔ ہر قسم کی ترقیات کے دروازے کھولتا ہے۔ انسان چھوڑ کل دنیا کا نظام بھی اختلاف سے ہی معراج کو پہنچتا ہے۔ ایک درخت کو دیکھ لو۔ کسی طرح ایک بیج میں سے اوّل اوّل ایک کونپل نکلتی ہے۔ اس وقت درخت اتفاق کا پورا مجسمہ ہوتا ہے۔ اس کے مختلف قوائے ایک کونپل میں چھپے ہوتے ہیں۔ لیکن اس وقت اس میں کوئی ترقی کی شکل نہیں ہوتی۔ اگر اس کی ترقی یہی ہے کہ درخت بڑھے۔ اور پھل پھول لائے۔ تو یہ ترقی اختلاف پر مبنی ہے۔ درخت میں ترقی تب ہی شروع ہوتی ہے۔ جب اس کونپل کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں۔ یہ دونوں شاخیں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ پھر ان شاخوں میں سے اور شاخیں پھر پتے پھر پھول پھل۔ الغرض ہر مرحلہ ترقی اختلاف کیساتھ وابستہ ہے۔ بلکہ یوں کہو۔ کہ ترقی اختلاف کا نام ہے۔ اسی طرح انسانی پیدایش کو دیکھ لو۔ حالت جنین میں ایک مضغہ کی حالت تک انسان میں یکسانیت کا رنگ ہوتا ہے۔ پھر اس میں ایک ہڈی پیدا ہو جاتی ہے۔ اسکے بعد اصلی ترقی شروع ہو جاتی ہے۔ ایک طرف بازو۔ دوسری طرف ٹانگیں۔ پھر ان کے آگے ہاتھ اور پاؤں۔ پھر ان پر انگلیاں پھر گردن۔ ناک۔ کان۔ آنکھیں۔ دماغ۔ دیکھ لو ہر مرحلہ ترقی ہی مرحلۂ اختلاف ہے۔ پھر انسانوں کے اختلاف امزجہ۔ و اختلاف طبائع پر غور کرو۔ اسی اختلاف نے مصنف۔ شاعر۔ حکیم۔ طبیب۔ صناع۔ مہندس۔ مقنن پیدا کئے۔ الغرض جتنے انسان اتنے ہی ان کے انواع میں اختلاف۔ کیا انسانی تمدن کے مختلف اقسام ہمارے آرام و آسائش کی مختلف شکلیں ہماری ضروریات کی مختلف نوعیت یہ سب کے سب کیسے حاصل ہو سکے۔ اگر اختلاف ایک امر ناجائز ہوتا۔ الغرض تمدن و تہذیب کا کمال۔ کمال اختلاف پر حصر رکھتا ہے اختلاف ہی رحمت خدا ہے۔ لیکن یہ اختلاف اسی وقت تک کسی چیز یا کسی نظام کی ترقی کا موجب ہو سکتا ہے۔ جب تک اسی چیز یا نظام کے مختلف اجزاء کا آپس میں بنیادی اتحاد و اتفاق رہے

درخت میں نشو و نما جس قدر اختلافِ اجزائے درخت کے ذریعہ ہوتا ہے۔ وہ اسی حد تک قایم رہ سکتا ہے۔ جب اس درخت کی شاخیں ایک تنے اور ایک جڑھ سے وابستہ ہوں۔ انسان کے مختلف جوارح اس وقت تک ترقی جسم کا موجب ہو سکتے ہیں۔ جب ان سب کا جسم کے تعلق میں اتفاق ہو۔ تمدن۔ تہذیب انسانی اختلاف سے ہی ترقی کرتی ہے۔ لیکن اس وقت تک جب مختلف افرادِ انسانی چند اصولوں میں اتفاق کر کے ایک سوسائٹی بنائیں۔ الغرض تمام کائنات عالم کو ایک غائر اور حکیمانہ نگاہ سے دیکھ لو۔ ہر ایک چیز کی ترقی اور نشو و نما ان ہی دو اصولوں سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی اس چیز کے اجزا فرداً فرداً اپنی نوعیت اور رنگ میں تو ایک دوسرے سے اختلاف رکھیں۔ لیکن وہ سب کے سب اُن امور میں اتفاق رکھیں۔ جو ان کے لئے بنیاد کا حق رکھتی ہوں۔

فی الجملہ ہر ایک نظام کے لئے خواہ وہ نظام جسمی ہو یا نظام روحانی۔ نظام تمدن ہو یا نظام سلطنت یہی نشو و نما ترقی کا راستہ مقررہ ہے۔ یعنے اوس نظام کے مختلف افراد اصولی امور میں متحد ہو کر اپنی نوعیت میں ایک دوسرے سے اختلاف کریں۔ جہاں ان افراد میں اختلاف اصولی پیدا ہوا وہاں نظام کا شیرازہ بکھر گیا۔ اور جہاں اختلافِ نوعیتِ افراد مسدود ہو گیا وہاں ترقی کا دروازہ بھی مسدود ہو گیا۔ اصولہائے نشو و نما میں افراد نظام کا اتفاق اگر بمنزلہ ہدایت ہے۔ تو ان افراد کا اختلاف نوعیت ایک رحمت ہے یہ وہ قاعدہ کلیہ ہے جس سے کائنات کا ذرہ ذرہ وابستہ ہے ممکن نہ تھا کہ ایک سچا مذہب اس سے الگ رہتا۔ دوسرے مذہب اس لئے تباہ ہوئے اور مجموعہ افترا و اباطیل بن گئے اور کوئی فلسفہ و حکمت نہ پیدا کر سکے کہ ان میں ان دو امور کا لحاظ نہ رکھا گیا۔ نہ ان میں وہ بنائی کے اصول منضبط ہوئے کہ جن کا اختلاف مذہب کے لئے سم قاتل کا حق رکھتا ہے۔ اور نہ ان مذاہب نے پیروی کو ان ہی اصول کے بعد دیگر امور فرعی میں اختلاف رائے کی اجازت دی اسلام نے ان دو نو امور کا لحاظ رکھا۔ اس لئے اسلام ہی وہ مذہب ہے۔ جو آج اپنی اصلی شکل میں محفوظ ہے اور اپنے اندر ترقی کی ساری باتیں رکھتا ہے۔ اسلام نے اُن اصولہائے مذہب کو جو مذہب کے لئے بنیاد کا حق رکھتے تھے اور وہی بمنزلہ ہدایت ہوتے ہیں۔ نہایت پاک صاف طریق سے بیان کر کے ان میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں رکھی۔ ہاں ان اصولی امور کے بعد نہ صرف اختلاف رائے کی

اجازت ہی دی بلکہ اس اختلاف کی جرأت دلائی اور اسی لئے اسکا نام رحمت رکھا چنانچہ ان دو امور کو نہایت ہی مَاقَلَّ وَدَلَّ طریق پر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے یوں فرمایا کہ جن امور پر میری امت کا اتفاق ہوگا وہ ضلالت نہیں بلکہ ہدایت ہے۔ اور جن امور میں ان کا اختلاف ہے وہ رحمت ہے۔ ایک طرف کہا۔ اِنَّ اللهَ لَا یَجْمَعُ اُمَّتِیْ اَوْ قَالَ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ عَلٰی ضَلَالَةٍ یعنی اللہ تعالےٰ میری امت یا امت محمد کو ضلالت پر جمع نہ کرے گا (ترمذی) دوسری طرف فرمایا اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَةٌ یعنی میری امت کا اختلاف رحمت ہے (تلخیص الصحاح)

ان دونوں حدیثوں پر غور کرو تو کل تنازعات کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ جن اختلافات کو ہم نے نفاق و شقاق کا موجب بنا رکھا ہے۔ وہی اختلافات وجہ رحمت ہو جاتے ہیں۔ بشرطیکہ ہم امور ہدایت میں بالفاظ حدیث انہیں باتوں کو اختیار کریں جن پر امت کا اتفاق ہو کیا بدقسمتی ہے کہ یہ پاک اور بین الفاظ نبوی جو امور ہدایت کی تلاش میں اور حقیقی اصولہائے اسلام کی دریافت میں مشعل راہ کا کام دیتیں وہی آج بعض علماء کی خانہ ساز باتوں سے ہمارے تنازعات کا باعث ہوگئیں۔ حدیث کے الفاظ تو یہ ہیں۔ کہ جن پر میری امت جمع ہو جائے وہ ضلالت نہیں بلکہ ہدایت ہے۔ اس سے یہ مراد لیناکہ جس پر سنیوں کا یا مقلدوں کا یا کسی اور فرقے کا اجماع ہو۔ وہی اجماع ہے۔ کس قدر غلط بات ہے۔ لفظ تو وہاں امت کا ہے۔ کیا شیعہ امت میں داخل نہیں۔ کیا خارجی امت سے باہر ہیں کونسا گروہ کونسی جماعت۔ کونسا فرقہ مسلمانوں کا ہے۔ جس پر لفظ امتی حاوی نہیں۔

مخبر صادق ؐ نے ہمیں لغزش سے اور آتش اختلاف سے بچنے کی کیا سیدھی راہ بتائی تھی۔ فرمایا اگر تمہیں یہ سمجھ نہ آئے کہ تمہارے اصول مذہب کیا ہیں۔ کون سے امور ہدایت ہیں۔ کونسے امور ضلالت ہیں۔ تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم علماء کے تنازعات میں پڑیں۔ ہم مولویانہ الجھاؤ کی موشگافی کریں۔ یہی تو وہ باتیں ہیں۔ جن کے ذریعہ جو ہم کو آپس میں لڑا کر یار لوگ اپنا اُلو سیدھا کر رہے ہیں۔ یہ ہمیں ایک دوسرے سے لڑاتے ہیں۔ انہوں نے شیرازہ اسلام کو بکھار دیا۔ ہمیں ان کے پاس جانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اگر ہمیں یہ بات دیکھنی ہو کہ امور ضلالت کیا ہیں۔ اور امور ہدایت کیا۔ تو آنحضرت صلعم نے وہ راہ ہم کو بتا دی ہے کہ جن پر ایک بے علم اور جاہل بھی چل کر

حقیقت پر پہنچ جاتا ہے۔ فرمایا کہ میری امت کبھی ضلالت پر جمع نہ ہوگی یعنی وہ باتیں جن کو امت کا ہر ایک گروہ مانتا ہے۔ جن کو ہر ایک ایسا شخص مانتا ہے۔ جس پر لفظ امت کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ وہی امت ہے۔ آسان راہ یہ ہے کہ ایک آدمی علماء سنت والجماعت سے جاکر پوچھے کہ تم کیا باتیں مانتے ہو۔ اور پھر شیعوں سے وہی سوال کرے۔ اسی طرح مقلد اور غیر مقلد۔ اہل حدیث۔ حنفی شافعی۔ مالکی۔ حنبلی۔ چشتی۔ قادری۔ نقشبندی۔ سہروردی۔ احمدی۔ مجددی۔ قدریہ۔ جبریہ جہمیہ۔ معتزلیہ۔ الغرض دنیائے اسلام کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک چلے جاؤ جہاں تک کوئی انسان ملے جس پر لفظ امتی عاید ہوتا ہو اس سے معتقدات فرداً فرداً دریافت کرلو۔ پھر ان میں چھان بین کرکے امور متفقہ ان میں سے نکال لو تو ذیل کی باتیں تمہیں نظر آئیں گی۔ سب کا ایمان تو اللہ تعالے اس کی صفات۔ ملایکہ۔ کتب۔ رُسل۔ یوم آخرت۔ قدر خیر و شر۔ حشر اجساد یوم حساب۔ بہشت۔ دوزخ۔ ختمیت نبوت۔ قرآن کا خاتم الکتب ہونا۔ شریعت محمدیہ کا مکمل اور ناطق ہونا۔ پانچ ارکان اسلام۔ پانچ نمازیں۔ صوم رمضان۔ حج بیت اللہ۔ نمازیں قبلہ رُخ ہونا۔ ہدایت کے لئے قرآن وحدیث کی طرف دیکھنا۔ ان میں سے کون سی بات ہے۔ جس پر ہر فرد امت مرحومہ کا ایمان نہیں۔ اور جن کے ماننے میں سب کو اتفاق نہیں۔ اور اس کے علاوہ کون سی بات باقی رہ گئی ہے کہ جو تمہارے ایمان کے لئے ضروری ہے۔ مَنْ صَلّٰے صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَکَلَ ذَبِیْحَتَنَا فَھُوَ الْمُسْلِمُ (صحیح بخاری) جس نے ہماری نماز پڑھی اور قبلہ کی طرف نماز پڑھی اور ہمارا ذبیحہ کھایا وہ مسلمان ہے۔ اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَشْھَدَ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَتُقِیْمُ الصَّلٰوۃَ وَتُؤْتِیَ الزَّکٰوۃَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَیْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا ط (صحیح مسلم) اسلام کلمہ شہادت قیام صلوٰۃ زکوٰۃ کا دینا رمضان کے روزے رکھنا اور اگر استطاعت ہو تو حج بیت اللہ کرنا۔ اور ایمان کے متعلق فرمایا۔ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ (صحیح مسلم) یعنی ایمان باللہ ایمان بالملائکہ وکتب ورُسل و یوم آخر اور قدر خیر و شر۔ کس قدر آنحضرت صلعم کا ہم پر احسان ہے۔ اور

کیسی آسان راہ اتفاق انہوں نے ہم کو بتلا دی۔ اسلام کے سوائے اور کونسا مذہب دنیا میں ہے کہ جس کی مختلف شاخوں کا اصولاً آپس میں اتفاق ہو۔ بالمقابل جن باتوں پر ہم کل مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ ان پر مذہب ختم ہو جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ ایک بھی بات نہیں رہتی کہ جسے ہم جزو ایمان ٹھہرا سکیں باقی جن باتوں میں اختلاف ہے۔ وہ تو مطابق حدیث نبوی رحمت ہی رحمت ہیں۔ کیا مزے دار بات ہے اور کس قدر نبی کریم کا ہم پر احسان تھا۔ اگر ہم اس احسان کی قدر کرتے۔ کس قدر پیش بینی اس مخبر صادق نے اس امر میں فرمائی۔ میں ابھی بالتفصیل بیان کیا ہے کہ کل ترقیاتِ دنیا اصول امور پر اتفاق رکھنے اور دیگر امور میں اختلاف رکھنے سے وابستہ ہیں۔ جس نے اصول میں اختلاف کیا وہ بھی تباہ ہوا۔ اور جس نے امور دیگر میں اختلاف کی اجازت نہ دی اور اس کو رواداری کی نگاہ سے نہ دیکھا وہ حالت جمود میں رہے گا۔ اور ترقی سے بے بہرہ ہوگا۔ مخبر صادقؐ چونکہ دنیا کو شاہراہ ترقی پر لانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ اس لئے انہی کی نگاہ نے سب سے اول ان دو راز ترقی کو دیکھ کر ہمیں یہ گُر بتا دیا کہ جس پر میری امت کا اتفاق ہوگا وہ ہی امور ہدایت اور جن پر انہیں اختلاف ہو۔ انہیں وجہ تنازعہ مت ٹھہراؤ اور نہ ایک دوسرے کو ان کے ماننے پر مجبور کرو۔ نہ ان کو وجہ تکفیر ٹھہراؤ۔ ہاں ان کو رواداری سے دیکھو۔ اور اُن کے متعلق وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (العصر ۱۰۳: ۳) پر عمل کرو۔ کیونکہ وہ ہی امور ترقی ہیں۔ جو ان کے متعلق سختی کرتا ہے۔ وہ انسان سے وہ حق چھینتا ہے۔ جو لازمہ بشریت ہے۔ اور جو اس کا پیدائشی حق ہے۔ اور جس کے سوا انسان انسان نہیں یعنی آزادیٔ رائے۔ اگر ہم آنحضرت صلعم کے ان دو فرمانوں پر عمل کرتے یعنی اصول مذہب کے لئے تو وہ باتیں لیلیں کہ جن پر کل کافۃ الاسلام کا متفقہ ایمان ہو اور ان باتوں کو فروعی سمجھیں جن پر ہمیں ایک دوسرے سے اختلاف ہو۔ تو سب تنازع مٹ جاتے ہیں۔ جیسے میں نے بیان کیا کہ اختلاف جہاں ایک طرف ترقی کے لئے ضروری ہے وہاں یہی اختلاف موجب فساد واقع ہوا ہے ان دونو باتوں کو مدنظر رکھ کر آنحضرت صلعم نے فرما دیا ہے۔ اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ یعنی تم اختلاف کو فساد نہ بنا لینا یہ تو رحمت ہی رحمت ہے۔ دوسری طرف اس امر کو سامنے رکھ کر کہ کہیں اسلام ہی مجموعہ اختلافات نہ بن جائے فرما دیا کہ

اگر اصول مذہب کی تلاش کرنی ہو اور یقیناً ضلالت سے بچنا ہو تو پھر وہ ہی امور دیکھو۔ جس پر کل امت کا اتفاق ہے۔

اللہ اللہ یہ کس قدر زبردست پیشنگوئی ہے۔ لیکن ہم ہی جو اپنے ہاتھ سے اس کا بطلان کر رہے ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَجْمَعُ اُمَّتِیْ عَلٰی ضَلَالَۃٍ ۔ یعنی اللہ تعالٰے میری امت کو کبھی ضلالت پر جمع نہ کرے گا۔ کوئی دوسرا مذہب مجھے نظر نہیں آتا۔ جس کے مختلف افراد اور فرقے کسی امر ایمانی پر متحد ہوں بالمقابل ایک طرف قرآن و حدیث پر غور کیا جائے۔ اور ان میں سے امور ایمانیہ کو نکالا جائے اور دوسری طرف ان باتوں کو دیکھا جائے۔ جن پر ہر ایک فرقہ امت کا اتفاق ہے۔ تو دونوں باتوں کا نتیجہ ایک ہی ہو جاتا ہے۔ جب امور متفقہ ہی ہمارے ایمان کے لئے ضروری ہیں اور امور مختلفہ کا نام آنحضرت صلعم نے رحمت رکھا ہے۔ تو پھر ہم کیوں ایک دوسرے سے جنگ کرتے ہیں یہ کون سی فرقی باتیں ہیں کہ جن میں کا اختلاف ہمیں ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنا رہا ہے۔ اگر کوئی فروعی امور میں مجھ سے اختلاف رکھتا ہے۔ تو سو دفعہ رکھے۔ ہر ایک شخص آزادئ رائے کا مالک ہے۔ اس سے اسے اختلاف رائے کا حق پہنچتا ہے۔ اس حق کے برتنے کا نام آنحضرت صلعم نے رحمت رکھا ہے۔ وہ اس رحمت سے فائدہ اٹھا کر جس نتیجہ پر آتا ہے۔ ممکن ہے وہ غلط ہو اور ممکن ہے کہ کسی کے نزدیک یقینی طور پر خطاکار ہو۔ لیکن یہ اس کا نیک نیتی کا اجتہاد ہے اور یہ اجتہاد ان اصولہائے اسلام کے خلاف نہیں جس پر کل امت کا اتفاق ہے۔ اور جو ایمان کے لئے ضروری نہیں اور ان پر اس کا بھی ایمان ہے۔ پھر تنازعہ کیا ہے۔ صرف ضرورت اس بات کی ہے کہ میں اس کے اجتہاد کی بحیثیت اجتہاد تو عزت کروں۔ لیکن اگر اختلاف ہو تو محبت و آشتی کے ساتھ اس سے اس مسئلہ کو نپٹاؤں۔ اگر نہیں نپٹتا تو سپرد بخدا کروں۔ یہ ہی طریق عمل ایک مسلم کا ہونا چاہیئے۔ اور یہ ہی منشا (واللہ اعلم بالصواب) مجھے ان دو حدیثوں کی سمجھ آتی ہے فساد تو اس وقت پیدا ہوتا ہے جب میں ان امور مختلفہ کو جزو ایمان ٹھہرا کر اس کے منکرین کو کافر بناتا ہوں۔ حالانکہ میرا یہ فعل خود ان دو حدیثوں کے خلاف ہے۔ اور قرآن کی تعلیم سے دور پڑا ہوا ہے۔ جب یہ صورت حال ہے۔ تو پھر تنازعہ کیا ہے۔ کیوں آپس میں جھگڑا ہے۔ اگر تمہیں تاریخ سے سبق نہیں ملا اور آج

جو حشر اسلام کا ہوا ہے وہ تمہارے لئے عبرت کا مقام نہیں تو آؤ ہندوؤں سے سبق لو۔ ہندو سلطنت کے زوال کا موجب یہ ہی فرقی تنازعات تھے۔ باہر کے حملہ آوروں کے بلانے والے یہیں کے باشندے تھے۔ جن کو کسی وقتی سلطنت کے مذہب سے اختلاف فرقی تھا۔ اور میں یہ ابھی دکھلا چکا ہوں کہ ہندوؤں کے فرقوں میں جس قدر اختلاف ایک دوسرے سے ہے وہ اصولی ہے اور اس کی نظیر دنیا میں نہیں۔ ہندو اصحاب فرقی اختلاف سے سلطنت گنوا کر آخر اپنی ہستی کے قایم رکھنے کے فکر میں لگ گئے۔ اور تمہیں دنیا کی تاریخ میں یہودیوں کے علاوہ صرف یہ ہی قوم نظر آئے گی۔ جن پر آئے دن بیرونی حملے ہوتے لیکن انہوں نے اپنی ہستی کو عزت کے ساتھ قائم رکھا۔ ان کی سلطنت کو گئے ہوئے ڈیڑھ ہزار برس ہو گیا ہے۔ تمہاری سلطنت کو ہندوستان سے گئے ہوئے بمشکل ڈیڑھ سو برس۔ پھر تم بتلاؤ تمہاری کوئی حقیقت ان کے مقابل ہے؟ اس کی آخر کیا وجہ ہے؟ انہوں نے دیکھ لیا کہ جب تک وہ غیر مذہب کے بمقابل فرقی اختلافات کو الگ رکھ کر ایک جان نہ ہو جائیں گے وہ اپنی ہستی کو دنیا میں قایم نہ رکھ سکیں گے۔ کیا ہمیں اس سبق پر چلنے کی ابھی ضرورت پیدا نہیں ہوئی۔ ہم تو ان سے بھی گئے گذرے ہیں۔ ایک سلطنت افغانی کو الگ کر لو (خدا انہیں قایم رکھے) تمہاری سلطنتوں کی حیثیت ہندوستان کے ہندو راجگان سے بھی گئی گذری ہے۔ پھر جس صورت میں مختلف فرقہ ہائے ہندو میں مذہبًا شقاق ہی شقاق ہے۔ اور ہمارے مختلف فرقہائے ملیہ میں اتفاق ہی اتفاق ہے۔ تو پھر خدارا غور کرو کہ کس طرح ایک ہندو بھائی جب پشاور سے آواز دیتا ہے تو مدراس اور بمبئی سے اس کو جواب ملتا ہے۔ بالمقابل ایک مسلمان قومی فائدے کے لئے کچھ کہنا چاہتا ہے تو اسی مجلس میں اس کے دوسرے ہم مذہب محض اس لئے اس کی مخالفت کرتے ہیں کہ وہ دوسرے نام نہاد فرقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ آج تم نے دیکھ لیا کہ تمہیں ہندوؤں سے اور ہندوؤں کو تم سے اتفاق کی ضرورت ہے۔ یہ مسئلہ بھی غور طلب ہے اور مسلم اہل الراؤں کا فرض ہے کہ مسئلہ اتحاد ہندو مسلم میں کسی قدر حزم و احتیاط سے کام لیں۔ جن پر انشاء اللہ میں بھی کچھ عنقریب عرض کروں گا۔ لیکن اتحاد بذاتِ خود تو ایک اعلےٰ چیز ہے۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ہندو مسلم اتفاق ہندوستان کی بہتری کے لئے ضروری ہے

اس سے ارکان سلطنت کو بھی نہیں ہو سکتا۔ خود شہنشاہ معظم نے دلی میں آکر اس اتفاق کی ہیں تلقین کی پھر کون ارباب حل و عقد حکومت میں سے ہوگا جو اس اتفاق کی مخالفت کرے۔ لیکن اے برادران اسلام اگر ایک ہندو سے اس ملک میں مجھے اتفاق کرنا ضروری ہے۔ جس سے وطنی مشارکت کے سوا میں اور کوئی مجانست نہیں رکھتا۔ اور ہندو چھوڑ مجھے بحیثیت مسلم ہر انسان سے بلا تمیز مذہب و ملت یا قوم و رنگت اتفاق و آشتی کرنے کا حکم قرآن نے دیا ہے۔ ہاں اگر مجھے ضرورت وقت نے ہندو بھائیوں سے مختلف معاشرتوں پر شیر و شکر ہو جانے کی نصیحت کی ہے۔ تو کیا میں اپنے مسلمان بھائیوں سے جدا ہو سکتا ہوں۔ جن سے ہر ایک امر میں مجھے مشارکت ہے۔

اے اس وقت کے مسلم لیڈرو تم سب نیک نیت ہو۔ مصیبت اسلام نے تمہیں بعض امور کی راہنمونی کی ہے۔ ان میں ہندو مسلم اتحاد بھی ایک امر ہے۔ لیکن کیا اس سے بڑھ کر مختلف فرقہ ہائے اسلام کے اتفاق کی ضرورت نہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایک طرف ایک سنّی عالم اور دوسری طرف ایک شیعہ مجتہد ہندو مسلمانوں کے مل جانے پر ایک رنگ میں اپنی قومی اور ملکی نجات دیکھتا ہے۔ کیا اس سنی مولوی اور شیعہ فاضل کا فرداً فرداً فرض نہیں کہ وہ شیعہ سنّی کے سر جوڑنے کا پہلے فکر کریں۔ اسی طرح جہاں ایک غیر مقلد فاضل مشترک قومی پلیٹ فارموں پر کھڑا ہو کر ہندو بھائیوں سے ہاتھ ملا رہا ہے۔ وہاں وہ کیوں دوسرے اسلامی فرقوں کے ساتھ منافرت کے سامان پیدا کر رہا ہے۔ اسلامی سلطنتیں تو اس ہی فرقی اختلاف کے باعث بہت حد تک تباہ ہو گئیں۔ اور سب فرداً فرداً جو مسلمان ہیں انکی تباہی بھی اس ہی تفرقہ سے ہوتی نظر آرہی ہے۔

کس طرح رنج اور شرم کا مقام ہے۔ ہمارے باہمی کینے۔ ہمارے باہمی بغض جن کی تہ میں فرقہ بندی ہے۔ اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ آج ایک مذہبی غرض کے پورا کرنے کے لئے ہمیں اپنا کوئی لیڈر نظر نہیں آتا۔ اور ایک ہندو کو ہم اپنی خلافت یعنی مقدس معاملہ میں پریزیڈنٹ قرار دیتے ہیں مجھے مہاتما گاندھی کی اس عزت پر کوئی رنج نہیں۔ کچھ صداقت اور ایثار کا رنگ اس شخص میں ہے۔ کچھ بے نفسی اس کی ذات میں جلوہ افگن ہے۔ یہ در اصل اسلامی شعار تھے۔ جو مسلمانوں سے جاتے رہے۔ اور ایک ہندو میں جلوہ افروز ہوئے جن کی طفیل سے اس نے مسلمانوں کو اپنے پیچھے لگالیا۔

لیکن کیا ہم مسلمانوں میں اس پایہ کے آدمی نہیں ہیں اور ضرور ہیں وہ اہل الرائے ہیں۔ وہ متقی ہیں۔ وہ قوم کے حقیقی رہنما بن سکتے ہیں۔ اور ہر فرقہ میں کم وبیش پائے جاتے ہیں۔ لیکن اے فرقہ بندی تیرا ستیاناس! ہمیں ایک دوسرے پر اعتبار نہیں۔ ہمارا بغض وحسد ہمیں ایک دوسرے کا دشمن بنارہا ہے۔ ہم میں کوئی ایک دوسرے سے جائداد کا یا منصب کا یا روزگار کا تنازعہ نہیں۔ صرف تنازعہ ہے تو یہ ہے۔ کہ یہ شخص خاص احمدی ہے۔ شیعہ ہے۔ اہل حدیث ہے۔ وہ اس قابل نہیں کہ ہمارا رہنما ہو۔ ہمارا لیڈر ہمارا پریزیڈنٹ ہو۔ تم تو اس فکر میں ہو کہ شیخ الاسلام ہندوستان میں تجویز کریں گورنمنٹ کو اس عہدے کے لئے مجبور کریں۔ آخر جس شخص کو شیخ الاسلام بناؤ گے۔ وہ ضرور کسی نہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہوگا۔ تم گورنمنٹ کو کیوں تکلیف دیتے ہو پہلے خود ہی فیصلہ کرلو۔ کہ تمہارا شیخ الاسلام کس فرقہ سے ہونا چاہیئے۔ یاد رکھو۔ اور خوب یاد رکھو کہ:۔

اسلام میں کوئی فرقہ نہیں

اور تم قومی دوڑ دھوپ میں ہمسایہ قوموں کے مقابل کبھی کامیاب نہ ہوسکو گے۔ جب تک فرقہ بندی کے طوق کو گردن سے نہ اتار دگے۔ جب تک تم ان تنازعات میں ہو تم کچھ نہیں کر سکتے تمہاری کامیابی تمہارے جمع ہو جانے پر ہے۔ اور تم جمع نہیں ہو سکتے جب تک تمہارا اس امر پر ایمان نہ ہو جائے کہ **اسلام میں کوئی فرقہ نہیں**۔ ان تمہارے نام نہاد فرقوں میں کوئی اصولی اختلاف نہیں۔ جن امور پر سب فرقہائے اسلام کا اتفاق ہے۔ وہ ہی ایمانیات کے لئے ضروری ہیں۔ وہ ہی امور ہدایت ہیں۔ ہاں جن امور میں اختلاف ہے ان کو وجہ تنازعہ نہ ٹھیراؤ۔ نہ ان اختلافات کو وجوہ تبرا اور لعنت یا وجہ تکفیر بناؤ انہیں رواداری کے ساتھ دیکھو اور جہاں کہیں کسی اختلاف پر تمہیں غصہ آئے تو جھٹ آنحضرت صلعم کے ان الفاظ کو یاد کرلو (اختلاف اُمّتِی رَحْمَۃٌ) اور ان مقدس الفاظ کی عزت کرو کہ اگر تم فرقی اختلاف آراء کو رحمت سمجھ لو۔ مگر انہیں ایمان کے لئے ضروری نہ سمجھو۔ ہاں وہ اپنی اپنی سمجھ کے مطابق کسی کے ازدیاد ایمانی کا موجب اور ہدایت کے مکملات اور متممات ہو سکتے ہیں۔ اپنی مخالف رائے سے بغض

کینہ کے ساتھ پیش نہ آؤ۔ اور جن امور پر امت مرحومہ کا فرد فرد جمع ہو چکا ہے۔ صرف انہیں ہی سے ایمانیات کے لیے ضروری سمجھو اور کوئی ایسا عقیدہ ان پر ایزاد نہ کرو جو ان متفقہ ایمانیات کے نقیض ہو۔ تو پھر کون سا فرقہ ہو گا۔ جسے تم ضلالت کی طرف جاتا کہہ سکتے ہو۔

مجھے یہاں ایک اور وہم کا بھی ازالہ کرنا ہے۔ جس کی بنا ابوہریرہ سے مروی ایک حدیث مندرجہ ابوداؤد ہے۔ جو بعض دلوں میں ان فرقی تنازعات کی اہمیت کا موجب ہو جاتی ہے۔ وَهُوَ هٰذَا اِثْنَانِ وَسَبْعُوْنَ فِي النَّارِ وَوَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ وَهِيَ الْجَمَاعَةُ (یعنی بہتر آگ میں جائیں گے اور ایک جنت میں اور وہی جماعت ہے) یہ حدیث اس خیال کی ذمہ دار ہے کہ امت محمدیہ تہتر فرقوں میں منقسم ہے۔ اور ان میں ایک ہی فرقہ ناجی ہے۔ باقی سب کے سب ناری ہیں۔ اب ہر ایک اس بات پر زور دے رہا ہے کہ جس فرقے کا وہ رکن ہے وہی فرقہ الجماعۃ ہے۔ یعنی وہی اہل سنت والجماعت ہے۔ مقلد اور ان کے بالمقابل غیر مقلد دونوں ایک دوسرے سے تو جنگ کرتے ہیں۔ لیکن اہل تشیع کے مقابل یہ دونوں اہل سنت والجماعت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ الغرض ہر ایک گروہ تہتر واں بننا چاہتا ہے اور باقی کل دنیائے اسلام ان کے نزدیک بہتر فرقوں میں سے ہے۔ کاش یہ لوگ بہتر فرقوں کا نام ہی ہم کو سنا دیتے۔ اس میں شک نہیں کہ اختلاف امزجہ و عقول نے مسائل شرعیہ میں موشگافیاں کرتے کرتے صدہا آزاد خیالات پیدا کر دیئے اور آئندہ بھی ہوں گے اور یہ سب اختلافات رحمت و برکت ہی ہیں۔ لیکن ان سے فرقے تو نہیں بنتے۔ آج میں ان تہتر فرقوں میں اسلام کو تقسیم کرنے والوں سے بہتر فرقوں کا نام دریافت کرتا ہوں کہ جن میں یہ لاانتہا تہتر قسم کے ایسے اصولی اختلاف ہوں۔ لیکن اگر وہ کسی مسئلہ میں کسی اختلاف رائے کا نام فرقہ ٹھہراتے ہیں تو تہتر کیا تہتر ہزار فرقے اسلام میں تجویز ہو سکتے ہیں۔

بات تو بہت سیدھی ہے اور ایسا ہی حدیث کے الفاظ بھی بہت صاف ہیں۔ ہاں ہمیں اس حدیث کے معنی کرنے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اور الفاظ کو بھی سامنے رکھ لینا چاہیئے حدیث کے الفاظ اِثْنَانِ وَسَبْعُوْنَ فِي النَّارِ وَوَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ وَهِيَ الْجَمَاعَةُ میں تہتر دیں گروہ کو الجماعۃ کہا ہے۔ اب اس الجماعۃ کی تعیین آسانی کے ساتھ ایک اور حدیث سے ہو جاتی ہے۔

جو انہیں فرقی بحثوں سے تعلق رکھتی ہے۔ جس کو میں انہیں اوراق میں زیر بحث لاچکا ہوں۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَجْمَعُ اُمَّتِیْ اَوْ قَالَ اُمَّتُ مُحَمَّدٍ عَلٰی ضَلَالَۃٍ وَیَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ (ترمذی) اللہ تعالےٰ میری امت کو یا فرمایا امتِ محمدیہ کو ضلالت پر جمع نہ کرے گا۔ اللہ کا ہاتھ الجماعہ پر ہے۔ اس حدیث نے لفظ الجماعت کی تعیین کر دی ہے۔ الجماعہ اور اس کے مابہ الامتیاز کو بھی بتلا دیا ہے۔ اس جماعت کے معتقدات اور ان کے ایمانیات وہی امور ہیں۔ جن پر ہر ایک فرد امتِ محمدیہ کا اجماع ہے۔ جو انہیں باتوں کو ایمانیات کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ اور جن کے قول وفعل اور جن کے دیگر معتقدات و آرا ان امور متفقہ کے خلاف نہیں۔ یہی لوگ اہل سُنّت والجماعت ہیں۔ اور یہی اہل جنت ہیں۔ ہاں حدیث میں یہ جو لفظ بہتّر کا آگیا ہے۔ اس کے لئے باقی بہتّر فرقوں کے مشخصہ صورت میں تلاش کرنا ایک امر لاحاصل ہے۔ اس امر پر بھی بخاری ومسلم کی ایک اور حدیث کافی روشنی ڈالتی ہے۔ آنحضرت فرماتے ہیں۔ (اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَۃً یعنی ایمان کے شعبے ستر پر کچھ ہیں۔ جس میں کوئی شعبہ کم ہے وہ جنتی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا بہتّر میں کا ایک گروہ بچیاؤں کا ہے۔ افراد شیعہ ہو یا سنّی احمدی۔ غیر احمدی سب ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ایمان کا ایک شعبہ حیا ہے (اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ) ویسا ہی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنا ایک افضل ترین شعبہ ہے۔ اور راستہ میں کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا بھی ایک ادنیٰ قسم کی شاخ ایمان ہے۔ اسی طرح انصار سے محبت رکھنا اپنے بھائی سے اپنے نفس کی طرح پیار کرنا قیام لیلۃ القدر وغیرہ وغیرہ یہ سب کی سب ایمان کی شاخیں ہیں۔ اگر اس معاملہ میں تدبر کیا جاوے تو قرآن وحدیث میں سے وہ تمام ایمانی شعبے مل سکتے ہیں۔ جن کی تعداد بقول نبویؐ بضع وسبعون ہوگی بضع کا لفظ تین پر بھی عاید ہو سکتا ہے۔ اب مذکورہ بالا دو حدیثوں کو نظر یک جائی سے دیکھا جائے اگر ایمان ایک شجر ہے۔ تو اس کی شاخیں تہتّر ہیں۔ ان تہتّر شعبوں کے ہونے سے ہی ایک شخص جنتی ہونے کا مستحق ہے۔ کسی میں کوئی شعبہ کم ہے۔ کسی میں دوسرا کسی میں بہت سے شعبے۔ الغرض انہیں ایمانی شعبوں کی کمی کے باعث ایک شخص ناری ہو جاتا ہے۔ پھر ان شعبہ ہائے ایمان کو مدنظر رکھ کر یہ کہہ دینا کہ بہتّر طرحوں سے یا بہتّر قسموں کی کیوں والے تو ناری ہوں گے۔ اور وہی ایک گروہ

امر واقع ہے۔ اور ایک حقیقت ہے۔ ہاں البتہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ آج جس پر سنی یا شیعہ یا حنفی مالکی۔ حنبلی شافعی۔ احمدی یا کوئی فرقی نام آجاتا ہے۔ وہ بالضرور بہتر شعبہ ہائے ایمان اپنے اندر رکھتا ہے۔ یہ تو سب کے سب نام ہیں۔ اور خاص اغراض کی تشخیص کے لئے چنے گئے ہیں۔ ورنہ یہ مختلف نام جنت کی کیا ضمانت ہیں۔ جنتی وہی ہے۔ جو کل شعبہ ہائے اسلام اپنے اندر رکھتا ہے۔ جس کا شجر ایمان تہتر کی تہتر شاخوں پر ثمر رکھتا ہے۔

شیعہ۔ سنی اصحاب میں تو پھر ایک واقعہ خلافت نے وجہ فساد پیدا کر رکھی ہے۔ اس نے ابتدائی صدیوں میں کشت خون تک نوبت پہنچائی۔ بنی امیہ نے ہمیشہ آل فاطمہ کو کمزور کرنے کی کوشش کی۔ ان کے مقابل حامیاں سیادت نے مختلف قسم کی جدوجہد کی۔ لیکن اس متقابل پولٹیکل تصادم سے اگر دلوں میں نقار پیدا ہو گیا۔ یا ان دو عناصر اسلام میں ایک دوسرے سے وحشت اور نفرت پیدا ہو گئی۔ تو ایک طبعی امر تھا۔ لیکن مجھے یہ سمجھ نہیں آتا کہ مقلد اور غیر مقلد اصحاب میں کیوں خطرناک کشیدگی پیدا ہو رہی ہے۔ لیکن اس وقت شیعہ سنی کے تنازعات مٹنے کی سخت ضرورت ہے۔ میں نے اسی کتاب میں لکھا اور ذکر کیا ہے کہ ہندو مذہب کے مختلف فرقہ جات میں جس قدر ایک دوسرے سے مذہبی تخالف موجود ہے۔ وہ آج بھی ہے۔ اور آج سے دو ڈھائی ہزار برس پہلے بھی تھا۔ اسی فرقی تخالف نے غیر ممالک کے بعض حملہ آور بلائے۔ تاریخ اس بات کا پختہ ثبوت دیتی ہے کہ بعض حصص ہندوستان میں مسلم حملہ آوروں کے بلانے والے بعض ہندو راجگان اور ان کے وزرا تھے۔ لیکن جب فرقی تخالف ہنود نے ان کی سلطنتیں مٹانی شروع کیں۔ اور ہندو قوم کو اپنی ہستی کی معدومیت دور سے نظر آنے لگی۔ تو وہ سمجھ گئے کہ یہ باہمی تخالف انہیں نیست و نابود کر دے گا۔ تو انہوں نے اس روش کو بدلا۔ اپنے فرقی تخالف کو تو برابر قائم رکھا لیکن غیر کے مقابل وہ بالکل ایک جان ہو گئے۔ وہ اس پالیسی پر یہاں تک کاربند ہوئے کہ ہم مسلمانوں کے متحقق سے متحقق علماء کو بھی یہ علم نہیں کہ ہندوستان کے مختلف فرقہ جات میں جن سے کوئی بشر بھی خالی نہیں آیا۔ کوئی اختلاف بھی ہے یا نہیں۔ یہ تو آریہ صاحبان کی چند روزہ تیز زبانی نے ہم پر ظاہر کر دیا۔ کہ اس نئے فرقہ کی کسی اور سے نہیں بنتی۔ حالانکہ آریوں کے وجود سے بھی صدہا برس پہلے ہندوؤں میں ہزارہا فرقے چلے آتے ہیں۔ جن میں مشرق و مغرب کا بُعد ہے۔ حتیٰ کہ کھانے پینے تک یہ لوگ ایک دوسرے سے الگ ہیں۔

اور آپس میں کوئی وجہ مشارکت نہیں رکھتے۔ لیکن محض اپنی قیام ہستی کے لئے غیر ہندوؤں کے مقابل وہ آپس میں کچھ ایسے شیر و شکر ہو گئے ہیں کہ ہم نے آج تک نہ سمجھا کہ ہندوؤں میں بھی کوئی فرقہ ہے۔ اس زندگی بخش پالیسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہندوؤں نے ان مختلف حملوں کے مقابل جن کے زیر مشق یہ ملک رہا۔ اور جو کسی قوم کی ہستی کے مٹا دینے کے لئے کافی سے بھی زیادہ تھے۔ نہ صرف اپنی ہی ہستی کو ہی قائم رکھا۔ بلکہ امتیاز و عزت کے ساتھ قائم رکھا۔ میں یہ امر واضح کر چکا ہوں کہ مسلم مختلف فرقوں میں کوئی اصولی وجہ اختلاف نہیں۔ اور ہندوؤں کے باہمی تخالف کے مقابل تو ہمارے فرقوں کا نام فرقہ رکھنا ہی غلطی ہے۔ لیکن اگر اپنی طاقت اور شوکت کے دنوں میں ہم ایک دوسرے بھائی کو نہ دیکھ سکے۔ اور پولیٹیکل ہولی آپس میں کھیل کر اپنی عزت اور طاقت کو ہم نے گنوا دیا۔ اور خاک میں مل گئے۔ تو کیا آج ہم پر وہ وقت نہیں آیا۔ جو آج سے ایک ہزار برس پہلے ہندوؤں پر اس ملک میں آیا۔ جس سے ان کو اپنی ہستی کے قیام کا فکر پیدا ہو گیا۔ انہوں نے غیر ہنود کے مقابل فرقی اختلاف کو بھلا کر اپنے آپ کو ایک گروہ بنا لیا۔ وہ اختلاف فرقی ان میں آج تک بھی موجود ہے وہ کھانے پینے کے جھگڑے جو صدہا برس ہوئے۔ ان میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ آج تک ہم ان میں دیکھ رہے ہیں۔ لیکن غیر کے مقابل جب وہ آتے ہیں۔ وہ سب ایک ہو جاتے ہیں۔ ان کی پالیسی ایک طرز عمل ایک ان کی آواز ایک قوت عمل ایک۔ وہ مغائرت چھوڑ وحدت اختیار کر لیتے ہیں۔ حیرت کا مقام ہے کہ اس قدر تضاد و تخالف کے مقابل ان میں معجون مرکب ہونے کی کامل استعداد ہے۔ پھر ہم کو کیا ہو گیا۔ ہم میں تو کوئی مذہبی تخالف ایسا نہیں کوئی اصولی فرق نہیں۔ کیا ہماری ہستی اب خطرے میں نہیں اب ہمارے پلے کیا رہا ہے۔ اور کونسی طاقت ہم میں ہے کہ جس کی تقسیم پر ہم میں تنازعہ ہو سکے۔ بحیثیت قوم تو ہمیں جان تک کے لالے پڑے ہیں دشمن ہیں کہ ہم کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی فکر میں ہیں۔ اور ہم ہیں کہ ہمارے آپس کے مفروضہ تنازعات ہی مٹنے میں نہیں آتے۔ آج ہم ہندوؤں سے ہاتھ ملا رہے ہیں۔ لیکن ایک شیعہ سے ہمیں اگر حسد ہے تو ایک احمدی سے بغض۔ ایک مقلد سے کینہ ہے تو اہل حدیث سے دشمنی۔ ہم ایک دوسرے کے ایسے دشمن ہیں کہ ایک ہندو کے ہاتھ پر ہم بیعت کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن ایک مسلمان کو ہم اس عزت کے ساتھ دیکھ نہیں سکتے۔ ہندوؤں سے ہمیں تو صرف مشارکت وطن ہے۔ یا ایک خطرہ ہے کہ جس کے ہم ہر دو ہدف ہیں۔ لیکن ہر ایک مسلمان کو کسی دوسرے مسلم فرقہ

کے ممبر سے تو سینکڑوں مشارکتیں ہیں۔ ہمارا خدا ایک۔ ہمارا خاتم النبیین ایک۔ ہماری کتاب و کعبہ ایک۔ ہماری نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ ایک۔ ہمارا کلمہ شریف ایک امور شرعیہ اور اخلاق اعمال میں ہماری ہدایت کا سرچشمہ ایک۔ اللہ و ملائکہ۔ کتب۔ رسل۔ یوم آخر۔ تقدیر خیر و شر۔ حشر اجساد۔ بہشت و دوزخ۔ الغرض وہ سارے کے سارے اُمور جن کا نام مذہب و ملت ہو سکتا ہے۔ اور جن کے سوا مجھے تو ایک بات بھی نظر نہیں آتی۔ کہ جو مذہب کے لئے تو ضروری ہو اور وہ مندرجہ بالا امور سے باہر ہو۔ ان سب اُمور میں ہم سب ایک ہیں۔ لیکن ہم کسی مسلمان کو عزت و محبت چھوڑ رواداری کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتے کہ جس کے ساتھ ہمیں فروعی اختلاف ہے۔ جو ہماری اصطلاح میں اختلاف فرقہ کہلاتا ہے۔ دوستو! یہ زندگی کے لچھن نہیں۔ تم تباہی کو اپنے پاس بُلا رہے ہو۔ نہیں بلا چکے ہو۔ یہ اختلاف اور تنازعات تو طاقت اور ثروت کے چوچلے ہوا کرتے ہیں۔ یہ تو اُمرا کی مرغ بازی کے انداز ہیں۔ اگر تم میں امارت اور شوکت ہے تو بسم اللہ یہ مرغبازی بھی کئے جاؤ۔ لیکن اگر من حیثیت القوم ہمارا جنازہ اٹھنے کو ہے۔ اور یار لوگ ہم پر فاتحہ بھیجنے کی فکر میں ہیں۔ تو پھر ہم کس کھیل میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ جھگڑا اور تنازعہ کیا ہے۔ ایک لفظ میں عرض حال کرتا ہوں۔ کہ اگر تمکو ہندوؤں سے اتفاق کرنے کی ضرورت ہے۔ تو اس سے ہزار درجہ بڑھ کر فرقہ بندیوں کے ہٹانے کی ضرورت ہے تم ان اختلاف آرا پر بیشک قائم رہو۔ جس نے اسلام میں یہ نام نہاد فرقے پیدا کر دیئے۔ یہ اختلاف تو رحمت ہے۔ اور ایک صحیح دماغ اور آزاد رائے قوم کی ہستی کا ثبوت ہے۔ خدا کی دی ہوئی عقل کو برتو اور اختلاف رائے قائم رکھو۔ لیکن اپنے عمل باہمی سے ایک دوسرے پر اور پھر غیر مسلموں پر یہ ثابت کر دکھاؤ۔ کہ بحیثیت مسلمان ہم سب ایک ہیں۔ علی گڑھ کالج کے مقابل لاکھ شیعہ کالج بنے تم اتحاد باہمی سے یہ ثابت کر دکھاؤ۔ کہ شیعہ کالج کے بنانے والوں کی غرض اگر لارڈ مکالے کی کسی پالیسی کا نفاذ ہے تو مسلمانوں پر اس کا اثر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا کے ماتحت لَا تَفَرَّقُوا وَلَا تَنَازَعُوا پر عمل پیرا ہیں۔

جیسے کہ میں نے اوپر کہا ہے مجھے شیعہ سُنیوں کے تخالف کی تو کوئی نہ کوئی وجہ بھی نظر آتی ہے۔ لیکن یہ بات سمجھ نہیں آتی۔ کہ مقلد غیر مقلد کیوں ایک دوسرے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اگر وہ

اہلحدیث بنناچاہتے ہیں تو کیا ہم حدیث کے دشمن ہیں ؟ پھر ان کا کونسا مسئلہ ہے جو امام اربعہ میں سے کسی نہ کسی کے زیر اجتہاد نہ آگیا ہو۔ اہلحدیث بہت حد تک شافعی المذہب ہیں۔ اگر کسی امر میں وہ حنفی اجتہاد کے مقابل اپنی مُتدیّن سمجھ کے ماتحت قول پیغمبرؐ کو ترجیح دیتے ہیں۔ تو چشم ماروشن دل ماشاد۔ وہ تو امام اعظم علیہ الرحمۃ کے قول ہی پر عمل کر رہے ہیں۔ ان میں بھی تو ہزارہا نفوس ہیں۔ بلکہ لکھوکھہا جو خود اجتہاد کے قائل نہیں۔ اور ہر امر میں اپنے علماء کے اجتہاد کی تقلید کر لیا کرتے ہیں۔ پھر اگر ایک مُقلّد ان عُلماء کے اجتہاد کے مقابل چار اماموں میں سے کسی امام علیہ الرحمۃ کا مقلد ہو جائے تو وجہ اعتراض کیا۔ ایک وقت ہندوستان پر تھا۔ کہ جب غیر مقلد گروہ علمبردار توحید سمجھا جاتا تھا۔ اور دوسرے سُنّی بھائی کہیں کہیں پیر پرستی۔ آثار پرستی کے پھیر میں آئے ہوئے تھے۔ علم غیبؐ نذر و نیاز وغیرہ کے جھگڑے اس وقت زوروں پر تھے۔ لیکن اب ہندو بھی ہماری ہمسائے گی میں موحدین چکے ہیں۔ مسلمان تو طبعًا دشمنِ شرک ہوتا ہے۔ یہ چھوٹا موٹا شرک جو کہیں کہیں نظر آبھی جاتا ہے عنقریب خود بخود اپنی طبعی موت پائے گا۔ اس وقت تو تثلیث توحید کو قطعًا مٹا دینے پر آمادہ ہے۔ آج تو آذانِ توحید کی جگہ ناقوس تثلیث بجنے کو ہے۔ اسلامی شوکت تو مٹ چکی۔ اب ہمارے مذہب کے معدوم کرنے کی فکر ہو رہی ہے۔ وہ مغربی طرزیں جس کے ماتحت یہ لوگ ایک قوم کو کسی علاقہ میں نیست و نابود کر دیا کرتے ہیں۔ اس کی بنیاد فلسطین میں پڑ چکی ہے۔ اگر ہم اب بھی باہمی تنازعات میں رہے تو عنقریب فلسطین سے مسلمان اسی طرح معدوم ہو جائیں گے۔ جیسے ہسپانیہ سے ہمارے بزرگ۔ خدا کیلئے آنکھیں کھولو۔ اگر تمہیں لَا تَفَرَّقُوْا وَلَا تَنَازَعُوْا کا حکم سمجھ میں نہیں آتا تو ہندوؤں سے یہودیوں سے عیسائیوں سے سبق لو اور جن میں ہزارہا فرقے ہیں۔ اور ان فرقوں میں باہمی اختلاف زمین و آسمان کا ہے۔ لیکن ان اختلافوں کو قائم رکھ کر تمہارے مقابل میں وہ سب کے سب ایک ہیں۔ یہی ان کی قیام ہستی کا راز ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارُ۔

اِس فرقہ بندی نے تم میں سے ہر ایک خیر و برکت کے کام کی توفیق چھین لی۔ بہت سی باتیں تمہارے ذمہ تھیں۔ جن پر تمہاری ہستی تمہاری طاقت اور تمہاری شوکت منحصر تھی۔ لیکن ان کا نفاذ متفق کوشش چاہتا تھا۔ جو فرقی تخالف کے مقابل امر محال ہو گیا۔ اور باتوں کو چھوڑ دو ایک **اشاعت اسلام**

کا سوال ہے جو ہمارا فرض اولین ہے۔ یہ وہ امر ہے جو انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا موجب ہوا ہے۔ یہ وہ بات ہے جو قرآن جیسی اعلےٰ عرفان کی کتاب دُنیا میں لائی۔ یہ وہ درخت ہے کہ جس کی آبپاشی صحابہ کرام رضؓ کے خون سے ہوئی۔ اور فی الجملہ یہی ایک بات ہے کہ جس سے اب تمہاری ہستی وابستہ ہے۔ کاش آج سے ستو سال پہلے اسلامی مشن ممالک غربیہ میں جاتے تو آج دُنیا کا نقشہ کوئی اور ہوتا۔ قرآن کو کھولو اور مجھے بتلاؤ کہ اشاعت اسلام سے بڑھ کر کوئی اور فرض مسلمانوں کے ذمہ ڈالا گیا ہو تو پھر اس فرض سے کیوں کوتاہی ہوئی۔ ہم نے دوسروں کی دیکھا دیکھی مدرسے کھولے یتیم خانے بنائے۔ کلب اور انجمنیں کھولیں۔ بہت سے کام کئے۔ لیکن ہم سے اگر نہ ہوا تو اشاعتِ اسلام کا فرض پورا نہ ہوا۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ہم آپس میں یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ کون سے فرقے کا اسلام غیر قوموں کے آگے پیش کیا جائے۔ آج سے بیس پچیس سال پہلے حیدر آباد کی اسلامی ریاست میں اس امر کا احساس ہوا۔ وہاں کے اہل دول کو چندہ جمع کر لینا کیا مشکل تھا۔ عروسِ دکن کے بہت سے عمائد ایک جلسہ میں جمع ہوئے۔ یورپ میں اسلامی مشن کا تہیہ کیا گیا۔ لیکن ایک چور رہتا۔ جو سب کے دل میں تھا۔ اسلام یورپ میں پیش ہو تو اثنائے عشریہ کا یا سُنیوں کا اور سُنیوں میں سے حنفیوں کا یا غیر مقلدین کا۔ آخر یہ دِل کی بات باہر آئی۔ اور اس جلسہ کا وہی حشر ہوا جو مسلمانوں کے اور جلسوں کا ہوا کرتا ہے۔ اور اشاعتِ اسلام کی تحریک فرقی اختلاف نے ضائع کر دی آج وہی امر جو حیدر آباد میں اس اختلاف نے ناممکن کر دیا تھا ممکن ہو گیا جو اس وقت امر محال تھا وہ حقیقت ہو گیا مشیتِ ایزدی نے انگلستان میں ایک مشن پیدا کر دیا جس نے ایک حد تک ہر ایک مسلم فرقہ کی توجہ کو جذب کر لیا۔ خدا تعالیٰ نے بھی فوق الفوق کامیابی اسے عطا کی لیکن اسباب کا آخر سر کیا ہے؟ صرف ایک ہی راز ہے اس مشن کا بانی اس کا چلانے والا اس کا روحِ رواں ایک شخص ہے۔ جو فرقہ بندی کی زنجیروں سے آزاد ہے۔ جس کا اس بات پر محکم ایمان ہے۔ کہ اسلام میں کوئی فرقہ نہیں۔ وہ اور مسلمانوں کی طرح ایک فرقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن وہ اس فرقہ کی خصوصیات کو اصول ہائے اسلام میں جگہ نہیں دیتا۔ وہ کسی فرقی تعلیم کو جزو ایمان نہیں سمجھتا۔ تلقین اسلام میں بھی وہ ان تنازعات سے الگ ہے اور اس کے اس فعل کو کل فرقہ ہائے اسلام نظر استحسان سے دیکھتے ہیں۔ پھر اگر یہ بات تم سب کو پسند ہے اور یہی ایک بات ہے۔ جس کے لئے تمہاری نگاہ پسندیدگی اس پر جا پڑتی ہے۔ تو تم خود اس کی کیوں پیروی

نہیں کرتے ؟ اس کی علاقہ فرقہ بندی سے آزاد کی کُل فرقہ ہائے اسلام کی خوشی کا اظہار صاف بتلا رہا ہے کہ اس وقت سب فرقی تنازعات سے تنگ آگئے ہیں۔ پھر اس راہ کو کیوں اختیار نہیں کیا جاتا کہ جس پر چل کر وہ سب کے نزدیک کامیاب ہوگیا۔

کیا یہ سب میرا کاروبار میرا طریق عمل جس پر میں ووکنگ میں گامزن ہوں کسی چال یا کسی حکمت عملی پر مبنی ہے اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ میں نے جو کچھ کیا خدا کی خوشنودی کے لئے کیا۔ لعنت ہے اس کاروبار پر جو کہ ایک طرف تو محض خدا کی خوشنودی کے لئے کیا جائے۔ لیکن دوسری طرف اس کی کامیابی کے لئے وہ انداز اختیار کئے جائیں جو نفاق اپنے اندر رکھتے ہوں۔ اور نفاق سے بڑھ کر خدا کی ناخوشی کا اور کیا موجب ہو سکتا ہے۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں اپنے ایمان و یقین کے مطابق صحیح اور درست کر رہا ہوں۔ میں جہاں ایک طرف فرقی اختلاف کو بقول پیغمبر ایک امر رحمت سمجھ کر ایک فرقہ سے تعلق رکھتا ہوں۔ وہاں اشاعت اسلام کے لئے فرقی تنازعات کو اہمیت دینا اسلام کے لئے سم قاتل جانتا ہوں۔ علاوہ ازیں ایک احمدی ہونے کی حیثیت سے میرے علم و یقین میں میرا کوئی بھی ایسا عقیدہ نہیں جو کسی اسلامی اصول عقیدہ حقہ کے خلاف ہو۔ اَحْمَدِیْ فِرْقَہْ کے مقدس بانی (علیہ الف الف رحمۃ) اپنا مذہب ذیل کے اشعار میں لکھتے ہیں۔

ما مسلمانیم از فضلِ خدا	مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
اندریں دیں آمدہ از مادریم	ہم بریں از دارِ دُنیا بگذریم
آں کتابِ حق کہ قرآں نامِ اوست	بادۂ عرفانِ ما از جامِ اوست
آں رسولے کش محمدؐ ہست نام	دامنِ پاکش بدستِ ما مدام
مہرِ او باشیر شد اندر بدن	جاں شد و باجاں بدر خواہد شدن
ہست او خیر الرُّسل خیر الانام	ہر نبوت را بروشد اختتام
ما ازو نوشیم ہر آبیکہ ہست	زو شدہ سیراب سیرابے کہ ہست
آنچہ ما را وحی و ایمائے بود	آں نہ از خود از ہماں جائے بود
ما ازو یابیم ہر نور و کمال	وصلِ دلدارِ ازل بے او محال

اقتدائے قول او درجان ماست | ہرچہ زو ثابت شود ایمانِ ماست
از ملائک وز خبرہائے معاد | ہرچہ گفت آں مرسلِ ربّ العباد
آں ہمہ از حضرتِ احدیت است | منکرِ آں مستحقِ لعنت است
معجزات او ہمہ حق اند و راست | منکرِ آں موردِ لعنِ خداست
معجزاتِ انبیاءِ سابقین | آنچہ در قرآں بیانش بالیقین
بر ہمہ از جان و دل ایمان ماست | ہرکہ انکارے کند از اشقیاست
یک قدم دوری ازاں روشن کتاب | نزد ماکفراست و خسران و تباب

مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ان ابیات کے مصنف کو یا اس کے متبعین کو کس طرح کسی اسلامی عقیدہ کے باہر کوئی سمجھ سکتا ہے۔ میرا اور ایسا ہی ہر ایک احمدی کا ان اشعار پر لفظاً لفظاً ایمان ہے۔ میں احمدی کی حیثیت میں یہاں اپنا عقیدہ لکھ دیتا ہوں۔ پھر میں اس رسالہ کے پڑھنے والوں سے فرداً فرداً دریافت کرتا ہوں کہ اس میں کونسی بات ہے جس سے ایک مسلم کو مجھ سے اختلاف ہو سکتا ہے وَھُوَ ھٰذَا۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

میں اسلام کو برحق اور خدا کی طرف سے جانتا ہوں قرآن کریم کو خدائے تعالیٰ کی آخری کتاب اور ہر امور ملّیہ میں اُسے ناطق اور خاتم الکتب مانتا ہوں۔ میں حضرت **محمد مصطفیٰ** (علیہ الف الف صلوٰۃ و سلام) کو خاتم النبیین مانتا ہوں۔ ان پر دروازۂ نبوّت کو بند اور ان کے بعد کسی کے دعویٰ نبوت پر ایمان نہیں لاسکتا۔ بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے بعد ہر ایک مدّعیٔ نبوّت کو کافر و کاذب سمجھتا ہوں۔ میرا کعبہ وہی ہے۔ جو اور مسلمانوں کا ہے۔ مسلمانوں کا ذبیحہ ہم کھاتے ہیں۔ **پانچ ارکان اسلام** پر ہم ایمان رکھتے ہیں۔ قرآن کے بعد احادیث نبویّہ اور سُنن مصطفویہ

کو اپنی ہدایت کا سرچشمہ جانتے ہیں ۔ یہی میرے معتقدات اصلی ہیں۔ اور اسی قدر کسی کے ایمان کے لیے میں کافی سمجھتا ہوں ۔ اور یہی وہ باتیں ہیں۔ جن پر اجماعِ اُمّت ہے ۔

اب میں ان خصائص کا ذکر کرتا ہوں جنہیں مَیں امورِ بالا کے علاوہ مانتا ہوں ۔ میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد اُمّتِ مرحومہ میں الہام ولایت کو جاری جانتا ہوں ۔ صدّیقیت کے سوا نبوّت کی باقی سب کھڑکیوں کو میں مسدود سمجھتا ہوں ۔ اور قولِ پیغمبر کے مطابق یعنی لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّۃِ اِلَّا الْمُبَشِّرَات ۔ نبوّت میں سے کچھ باقی نہیں رہا مگر مُبشّرات کے ماتحت افرادِ اُمّتِ محمدیہ میں میں صاحبِ مبشّرات ہونے کا قائل ہوں ۔ مبشرات یا رویاءِ صادقہ کو بموجبِ ارشادِ نبوی میں نبوّت کی ایک جزو سمجھتا ہوں ۔ اس لیے آنحضرت صلّے اللہ علیہ وسلّم کے بعد میں کسی مدّعی نبوّت کو سچا نہیں جانتا بلکہ ایسے مدّعی کو خارج از اسلام سمجھتا ہوں ۔ ہاں اس امت میں صاحبِ مبشرات ہمیشہ پیدا ہوتے رہے ہیں صحابہ کرامؓ میں سے بعض جلیل القدر اصحاب ایسے تھے ۔ کُل کے کُل **مجدّدین** صاحب مبشّرات تھے ۔ مثلاً حضرت شیخ عبدُ القادر جیلانیؒ حضرت احمد سرہندیؒ حضرت شاہ ولی اللہ حضرت خواجہ معین الدینؒ چشتی ۔ حضرت جنید بغدادی ۔ حضرت احمد بریلوی ۔ حضرت امام غزالی ۔ حضرت محی الدینؒ عربی ۔ یہ سب کے سب خدائے تعالیٰ سے الہام اور مبشرات پانے والے تھے ۔ ان سب میں نبوّت کی ایک جُزو موجود تھی ۔ اور اس لحاظ سے انہیں سلف صالح میں سے بعض نے جُزوی ظلی یا بُروزی نبی کہا ہے ۔ یہی وہ علماءِ ربّانی ہیں ۔ جن کی شان میں علماءِ امّتی کانبیاءِ بنی اسرائیل آیا ہے ۔ انہیں میں سے کوئی ابراھیم تھا ۔ جیسے بقولِ آنحضرت صلعم جناب صدیق اکبرؓ تھے ۔ کوئی نوح تھا ۔ جیسے جناب رسالتمآب سے فاروق اعظم نے خطاب پایا ۔ انہیں میں سے موسیٰ اور عیسیٰ کے مثیل پیدا ہوئے ۔ جیسے سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے صحیح طور پر اپنی شان میں فرمایا ۔

دمبدم روح القدس اندر مُعینی میدمد ‏ ‏ ‏ ‏ من نمیدانم مگر من عیسیٰ ثانی شدم

اسی پاک جماعت میں سے مماثلت مسیحیت کے مدّعی حضرت مرزا غلام احمدؐ صاحب قادیانی

تھے۔ جنہوں نے اس مماثلت کی وجہ یوں فرمائی۔

چوں مرا نورے پئے قومے مسیحی دادہ اند　　مصلحت را ابن مریم نام من نہادہ اند

یعنی مجھے اور میرے متبعین کو قضا و قدر نے مسیحی قوم کو اسلام کی طرف دعوت دینے کے لئے مقرر کیا ہے۔ اس لئے مصلحتاً میرا نام ابن مریم رکھا گیا۔ جب ایک عاجز انسان کو مخلوقات نے تختِ الوہیت پر بٹھادیا۔ تو غیرتِ خداوندی نے ایک نبی کو نہیں بلکہ خاتم النبیین کے ایک غلام اور امتی کو انسان پرست فرنگیوں کے خدا کا ہمسر بنا دیا۔ اسی حقیقت کی طرف حضرت مرزا صاحب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

چوں کافرا زستم یہ پرستد مسیحؑ را　　غیوریئ خدا بسرش کرد ہمسرم

من نیستم رسُول و نیاوردہ ام کتاب　　ہاں ملہم ہستم وز خداوند مُنذرم

میرا اور مسلمانوں کی طرح مجدّد والی حدیث پر ایمان ہے۔

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَاْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا۔

ترجمہ :۔"رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر اس امت کے لئے ایک ایسا شخص مبعوث کیا کرے گا۔ جو اس کے لئے اس کے دین کی تجدید کرتا رہے گا"

میں ان الفاظ مصطفوی کو صادق سمجھتا ہوں۔ اور ایمان رکھتا ہوں۔ کہ اُمتِ مرحومہ کی ہدایت اور دشمنانِ اسلام کے مقابل قرآن کریم کی حفاظت اور حمایت کے لئے اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ کے ماتحت ہر صدی کے سر پر مجدّد آتے رہتے ہیں ضرور تھا۔ کہ **چودھویں صدی** کے سر پر بھی وعدۂ نبوی کو پورا کرنے والا کوئی انسان پیدا ہو۔ مخبر صادقؐ کا وعدہ صحیح اور سچا ہے۔ اور بحیثیت مسلمان میری غیرت کا یہی تقاضا تھا۔ کہ میں کسی نہ کسی بزرگ کی تلاش میں لگ جاؤں۔ جس میں یہ وعدہ مجھے پورا ہوتا نظر آئے ۱۲۸۰ھ سے چل کر ۱۳۲۰ھ تک چودھویں صدی کا سر ہو سکتا تھا۔ مجھے تو حضرت مرزا صاحب کے سوا مجدّدیت کا مدّعی بھی کوئی نظر نہیں آیا۔ جس کا میں اپنی سمجھ کے مطابق حضرت مرزا صاحب سے مقابلہ کرتا۔ یہ زمانہ بھی وہ نہیں کہ ہمیں رُبع مسکون کا علم نہ ہو

آج کل عالم کے واقعات ہماری نگاہ تلے ہیں۔ لیکن بلادِ اسلامیہ میں سے اور کوئی حَدِیث مُجَدِّدِیَّت کو پورا کرنے والا نہ اُٹھا۔ بہاءُاللہ نے ایران سے آواز دی۔ لیکن وہ تو نبی اور شاید خدا بن کر آیا۔ اس لئے مجھے جو ختم نبوت پر ایمان رکھتا ہوں۔ ضرورت ہی نہ تھی کہ بہاءُاللہ کے دعویٰ پر غور بھی کرتا۔ میں امتیوں میں سے اس صدی کے سر پر ایک مجدد کی تلاش میں تھا لیکن کسی نے صلائے عام نہ دی۔ اور کوئی دیتا بھی کیسے۔ بعثتِ مجددیت تو الہام الٰہی کے ماتحت ہوتی ہے۔ ہاں سے قادیان سے حضرت اَقدَس مِرزَا صَاحِبْ نے ٹھیک ۱۳۰۰ھ میں **ملہم** اور **مجدّد** ہونے کا دعویٰ کیا۔ ان کے زہد و تقوےٰ اور تورّع نے ان کی غیرتِ اسلام نے۔ ان کی نفسانیت سے پاک دینی خدمات نے مجھے یقین دلایا کہ وہی اس **صدی کا مجدّد** ہے۔ میری زندگی نے ان کے تعلق کے بعد جو تبدیلی اختیار کی۔ اس نے میرے اس فیصلہ پر صاد کیا۔ الغرض میری غیرت و محبت مخبر صادقؐ کے وعدۂ مجددیت کو کسی عالم ربانی میں پورا ہوتا دیکھنا چاہتی تھی۔ اس لئے میں نے ان کے آگے سر جھکایا۔

"یہاں میں ان اپنے بھائیوں کو اطلاع دیتا ہوں۔ جن کا غلو حضرت مرزا صاحب کو چار پانچ سال سے نبی بنا رہا ہے۔ انہیں ہمارے ساتھ یہ بحث کرنے کی ضرورت ہی نہیں کہ مرزا صاحب کیا تھے۔ یا ان کا دعویٰ کیا تھا۔ میں علےٰ وجہ البصیرت آنحضرت صلعم پر ختم نبوت مانتا ہوں۔ مجھے زید و بکر کی نبوّت کی طرف بلانا ایک بے سود امر ہے۔ میرے ساتھ بحث کرنے کا طریق یہ نہیں کہ میرے سامنے حضرت مرزا صاحب کا کوئی ایسا فقرہ یا سطر پیش کی جاوے۔ یا سیاق و سباق سے الگ کر کے یہ نتیجہ نکالا جاوے۔ کہ مرزا صاحب نے یہاں دعویٰ نبوت کیا ہے۔ اگر ایسا ہو بھی تو مجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں۔ مسئلہ نبوت میں تو میں صرف قرآن و حدیث پر چلتا ہوں۔ جو نبوّت کو ختم کرتے ہیں۔ اس لئے میں بہاءُاللہ کی طرح ہر ایسے شخص کی باتیں سننے کے لئے تیار نہیں جو مدعی نبوت ہو۔ میں حضرت مِرزَا صَاحِبْ کا اس دن تک عاشق و والا ہوں۔ جب تک وہ میری سمجھ اور ایمان میں اَحمَدْ نہیں بلکہ غُلَامِ اَحمَدْ ہے۔ نبی نہیں بلکہ اُمّتی ہے۔

اس تحریر سے میرا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مدعی نبوت یا اس کا کوئی پرستار قرآن پر ایمان رکھتا ہے تو پھر قرآن کے ماتحت وہ مجھ سے مسئلہ نبوت پر گفتگو کرے۔ اگر قرآن مُحَمَّدْ عربی (صلعم) کے بعد کسی نبوت کی بعثت کی اجازت دیتا ہو۔ تو پھر ہم کسی کے ایسے دعوے پر خواہ وہ مِرْزَا صَاحَبْ ہوں یا بہاءُ اللہ غور کرنے کے لئے تیار ہیں۔ والّا یہ لاحاصل بحث ہے۔ ہاں میں اِس امر سے بھی گریز نہیں کرتا۔ کہ قرآن کو جو شخص ناطق نہ مانتا ہو۔ وہ اسلام سے خارج ہو کر بھی مسئلہ ختمیت نبوت پر مجھ سے گفتگو کر لے۔ چنانچہ میں اخیر میں اس مسئلہ پر مزید روشنی ڈالنے کے لئے وہ باتیں لکھوں گا۔ جو اتفاقاً ایک بہائی میں اور مجھ میں ہوئیں۔

مسئلہ **نزول و وفاتِ مسیح** میں میرا عقیدہ کوئی نرالا عقیدہ نہیں اِبْنِ عَبَّاس نے اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ کے معنے اِنِّیْ مُمِیْتُكَ کئے جن سے ان کا مذہب وفات مسیح کے متعلق نظر آرہا ہے۔ میں حضرتِ امام مالک کی طرح جنابِ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا قائل ہوں (وَ الْاَکْثَرُوْنَ عَلٰی اَنَّ عِیْسٰی لَمْ یَمُتْ وَ قَالَ مَالِکٌ مَاتَ ترجمہ: "اور اکثر اس بات پر ہیں۔ کہ عیسیٰ مرے نہیں۔ اور امام مالک کہتے ہیں کہ مر گئے"۔ (مجمع البحار) چنانچہ معراج والی حدیث بھی اسی عقیدہ کی تائید میں ہے۔ جہاں بیان کیا گیا ہے کہ جناب مسیح کو آنحضرت صلعم نے موتے کی جماعت میں وفات شدہ انبیاء کی ارواح میں شامل پایا۔ مجھے جابجا قرآن میں سے وفات مسیح کا پتہ ملا۔ اس لئے میں نے جناب مسیحؑ کو وفات یافتہ سمجھا۔ علاوہ ازیں میں اس عقیدہ کو کسی اصُول اسلام کے خلاف نہیں پاتا۔ مجھے صحابہ کرامؓ میں سے بعض بزرگ بلکہ خود صدیق اکبرؓ اسی عقیدہ کے نظر آتے ہیں۔ فی الجملہ وفات و حیات مسیح کا عقیدہ تو ایسا نہیں کہ جس پر کسی کا اسلام آرہے۔ دیانت و امانت کے ساتھ قرآن سے کسی کو جو عقیدہ سمجھ میں آئے رکھ لے۔

میں نُزُوْلِ اِبْنِ مَرْیَمْ والی حدیث کو بھی مانتا ہوں۔ اور اُن بزرگوں کی طرح جو ایک طرف وفات مسیح کو مانتے ہیں۔ اور دوسری طرف اس حدیث کو بھی صحیح سمجھتے ہیں۔ اسی نزولِ ابن مریم مندرجہ حدیث سے مراد کسی ایسے اُمَّتِیْ کی بَعْثَتْ مانتا ہوں جو ابن مریم کا مَثِیْل ہو۔

چنانچہ اکمال الکمال المعلم شرح صحیح مسلم نے نزول عیسیٰؑ کی بحث میں لکھا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ اِلّا اَکْثَرُ عَلیٰ اَنَّہٗ لَمْ یَمُتْ بَلْ رُفِعَ وَفِی الْعُتْبِیَّۃِ قَالَ مَالِکٌ مَاتَ عِیْسیٰ ابْنَ ثَلَاثٍ وَّ ثَلَاثِیْنَ بِسَنَۃٍ ترجمہ: اکثر لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ (عیسیٰ) نہیں مرے بلکہ اٹھائے گئے۔ اور عتبیہ میں امام مالک کا قول ہے۔ کہ عیسیٰ ۳۳ سال کی عمر میں مر گئے۔ ان الفاظ سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے لکھنے والے کے نزدیک نزولِ ابن مریم والی حدیث کا مصداق مسیح ناصری نہیں۔ بلکہ امت میں کا کوئی عظیم الشان انسان ہے۔ اور امور میں بھی میرے وہی عقاید ہیں۔ جو دیگر اہلسنت والجماعت کے ہیں۔ میں حنفی المذہب مسلمان ہوں۔ اور ایسا ہی حضرت مرزا صاحب اپنے آپ کو ظاہر کرتے رہے۔ معراج۔ لیلۃ القدر معجزات پر میں ایمان رکھتا ہوں۔ یہاں مجھے بہتر معلوم ہوتا ہے۔ کہ میں خود حضرت مرزا صاحب کے اس اشتہار کو نقل کروں۔ جو آپ نے ۱۸۹۲ء بمقام دہلی دیا۔ اور پھر مسجد میں کھڑے ہو کر بعض باتیں حلفاً بیان کیں۔ وَھُوَ ھٰذا۔

اِس عاجز نے سنا ہے کہ اس شہر کے بعض اکابر علماء میری نسبت یہ الزام مشہور کرتے ہیں۔ کہ یہ شخص نبوت کا مدعی ملائک کا منکر۔ بہشت دوزخ کا انکاری۔ اور ایسا ہی وجود جبرائیل اور لیلۃ القدر اور معجزات و معراج نبوی سے منکر ہے۔ لہٰذا میں اظہاراً للحق عام و خاص اور تمام بزرگوں کے خدمت میں گذارش کرتا ہوں کہ یہ الزام سراسر افترا ہے۔ میں نہ نبوت کا مدعی ہوں۔ اور نہ معجزات اور ملائک اور لیلۃ القدر وغیرہ سے منکر بلکہ میں ان تمام امور کا قائل ہوں۔ جو اسلامی عقاید میں داخل ہیں۔ اور جیسا کہ سنت جماعت کا عقیدہ ہے۔ ان سب باتوں کو مانتا ہوں۔ جو قرآن اور حدیث کی رو سے مسلم الثبوت ہیں۔ اور سیدنا و مولینا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خَتَمُ الْمُرْسَلِیْنَ کے بعد کسی دوسرے **مدعی نبوت** اور رسالت کو **کاذب** اور **کافر** جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی۔ اور جناب رسول اللہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

پر ختم ہوگئی۔ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَاٰمَنْتُ بِکِتَابِ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ الْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ۔

...... اس میری تحریر پر ہر ایک شخص گواہ رہے۔ اور خداوند علیم وسمیع اول الشاہدین ہے کہ میں ان تمام عقاید کو مانتا ہوں۔ جن کے ماننے کے بعد ایک کافر بھی مسلمان تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور جن پر ایمان لانے سے ہر ایک غیر مذہب کا آدمی بھی معاً مسلمان کہلانے لگتا ہے۔ میں ان تمام امور پر ایمان رکھتا ہوں۔ جو قرآن اور حدیث صحیحہ درج ہے۔

اور ایسا ہی یہ بھی شائع کیا

دوسرے الزامات جو مجھ پر لگائے جاتے ہیں کہ یہ شخص لیلۃ القدر کا منکر ہے۔ اور معجزات کا انکاری ہے۔ اور معراج کا منکر اور نیز نبوت کا مدعی اور ختم نبوت کا انکاری ہے۔ یہ سارے الزامات باطل اور دروغ محض ہیں۔ ان تمام امور میں میرا وہی مذہب ہے۔ جو دیگر اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔ اور میری کتاب توضیح مرام اور ازالہ اوہام سے جو ایسے اعتراضات نکالے گئے ہیں۔ یہ نکتہ چینوں کی سراسر غلطی ہے اور میں مفصلہ ذیل امور کا مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اقرار اس خانہ خدا (مسجد) میں کرتا ہوں۔ کہ میں جناب خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا قائل ہوں۔ اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو۔ اس کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ ایسا ہی میں ملائکہ اور معجزات اور لیلۃ القدر وغیرہ کا قائل ہوں اور یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ جو کچھ بدقسمتی سے بعض کوتاہ فہم لوگوں نے سمجھ لیا ہے۔ ان اوہام کے ازالہ کے لئے عنقریب ایک مستقل رسالہ تالیف کر کے شائع کردوں گا۔ غرض میری نسبت بجز میرے دعویٰ۔ وفات مسیح اور مثیل مسیح ہونے کے اور اعتراض تراشے گئے ہیں۔ وہ سب غلط اور ہیچ اور صرف غلط فہمی کی وجہ سے کئے گئے ہیں۔

امور بالا میں میں ایک اور بات ایزاد کر کے اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔ میں کسی ایسے مسلمان کو جو اہل

کلمہ اور اہل کعبہ ہو۔ اور ان باتوں کو مانتا ہو۔ جنہیں میں نے اصول اسلام کے عنوان میں لکھا ہے مسلمان جانتا ہوں۔ اور ان کی تکفیر کو مکفر کا کفر قرار دیتا ہوں۔ اسی طرح میرے نزدیک کسی ولی کا انکار کسی کو کفر تک نہیں پہنچاتا۔ اس انکار کے ساتھ جب بُغض و کینہ مل جاتا ہے۔ تو ایک منکر ولایت معصیت میں پڑ کر اپنے ایمان کو سخت خطرہ میں ڈال لیتا ہے۔ یہی حضرت مرزا صاحب کا مذہب اپنی ذات کے متعلق ہے وہ لکھتے ہیں "ابتدا سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعوے کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں[1] ہوسکتا۔ ہاں ضال اور جادۂ صواب سے منحرف ضرور ہوگا۔ اور میں اس کا نام بے ایمان نہیں رکھتا ہاں میں ایسے سب لوگوں کو ضال اور جادۂ صدق و صواب سے دور سمجھتا ہوں۔ جو ان سچائیوں سے انکار کرتے ہیں۔ جو خدا تعالےٰ نے میرے پر کھولی ہیں۔ میں بلاشبہ ایسے ہر ایک آدمی کو ضلالت کی آلودگی سے مبتلا سمجھتا ہوں۔ جو حق اور راستی سے منحرف ہے لیکن میں کسی **کلمہ گو کا نام کافر نہیں رکھتا** جب تک وہ میری تکفیر اور تکذیب کر کے اپنے تئیں خود کافر نہ بنا لیوے" (تریاق القلوب صفحہ ۱۳۰) لہٰذا میرے نزدیک مرزا صاحب کا نہ ماننا ایسا ہی کسی اور مجدد کا نہ ماننا کسی مسلمان کو کفر تک نہیں پہنچاتا۔ کسی مجدّد کا انکار ایک انسان کو ان علوم ربانی اور برکاتِ الٰہیہ سے محروم کر دیتا ہے۔ جو اس مقدس

---

[1] یہ نکتہ یاد رکھنا کے لائق ہے۔ کہ اپنے دعوے کے انکار کرنے والے کو کافر کہنا یہ صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدائے تعالےٰ کی طرف سے شریعت اور احکامِ جدیدہ لاتے ہیں۔ لیکن صاحبُ الشریعت کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدث ہیں۔ گو وہ کیسے جناب الٰہی میں شان رکھتے ہوں۔ اور خلعتِ مکالمۂ الٰہی سے سرفراز ہوں ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا۔ ہاں بدقسمت منکر جو ان مقربانِ الٰہی کا انکار کرتا ہے وہ اپنے انکار کی شامت سے دن بدن سخت دل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ نورِ ایمان اس کے اندر سے مفقود ہو جاتا ہے۔ اور یہی احادیث نبویہ سے مستنبط ہوتا ہے کہ انکارِ اولیاء اور ان سے دشمنی رکھنا اوّل انسان کو غفلت اور دنیا پرستی میں ڈالتا ہے۔ اور پھر اعمال حسنہ اور افعال صدق اور اخلاص کی ان سے توفیق چھین لیتا ہے۔ اور پھر آخر

انسان کی ذات سے وابستہ ہوتی ہیں۔ ضدیت ہی محرومیت اور خسران کا موجب ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ خدا سے علم پاکر جہاں کو معارفِ قرآنیہ اور غوامض شرعیہ سے مالا مال کر دیتے ہیں۔ جو شخص انہیں نہیں پہچانتا وہ ان علوم ربانی سے بے بہرہ رہجاتا ہے۔ مجدد وقت کے نہ پہچاننے والوں کے متعلق جو حدیث میں آیا ہے کہ مَنْ لَمْ يَعْرِفْ إِمَامَ زَمَانِه فَقَدْ مَاتَ مَوْتَ الْجَاهِلِيَّةِ اس کے معنے بھی یہی ہیں اور بس۔ جاہل ہے وہ انسان جو جہالت کے معنے کفر کرتا ہے۔ ہاں جو ان مکفرین کا مکذب ہو وہ قول پیغمبر کے ماتحت خود کافر ہے۔ لیکن اس میں تو کسی مجدد کی خصوصیت کیا ہے۔ کسی ایک مومن کو کافر کہنے والا کافر ہے۔

اب میں نے ان تمام عقاید کو بیان کر دیا ہے جو حسب التعلیم مرزا صاحب ایک احمدی رکھتا ہے۔ ایسا ہی اُن ایمانیات کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ جنہیں میں نے اصول اسلام میں داخل کیا ہے۔ اور جن کے ماننے سے ہی ایک شخص مسلمان ہو سکتا ہے۔ اور ان خصوصی باتوں کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ جو ایک احمدی کے مابہ الامتیاز ہو سکتے ہیں۔ اب ان میں کونسی بات ہے کہ جن کے ماننے سے کوئی اصولِ اسلام ٹوٹتا ہو۔ علاوہ ازیں ان میں کون سی بات ہے۔ جسے آج سے پہلے صالحین سلف میں سے کوئی نہ کوئی مانتا نہ ہو۔ وَفَاتِ مَسِیح کے ماننے والے۔ ظلیتِ نبوّت پر ایمان رکھنے والے اُمت محمدیہ میں وَحِیِّ وِلَایَتْ کی اجرا کے قائل اور اس اِلْهَامُ وِلَایَتْ کا نام مُبَشِّرَات رویائے صادقہ۔ جزوی ظلی۔ نبوّت رکھنے والے سب کے سب پہلے سے موجود ہیں۔ نُزُولِ اِبْنِ مَرْیَمْ کی حدیث ماننے والوں کا وہ حصہ جو اِمَامِ مَالِکْ کی طرح وَفَاتِ مَسِیح کا قائل ہے۔ ہمیشہ نُزُولِ مَسِیح سے مُراد کسی مُجَدِّدْ کی بعثت لیتا رہا ہے۔ وہ آنے والے مسیح کو اُمت میں سے ایک مجدد ہی مانتا رہا ہے۔ جیسے کہ الفاظ اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ سے ظاہر ہوتا ہے۔

سلب ایمان کا موجب ہو کر دیندار کی اصل حقیقت اور مغز سے ان کو بے نصیب اور بے بہرہ کر دیتا ہے۔ اور یہی معنے اس حدیث کے کہ مَنْ عَادَ اَوْلِیَائِی فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ لِلْحَرْبِ یعنی جو میرے ولی کا دشمن بنتا ہے۔ تو میں اس کو کہتا ہوں کہ بس اب میری لڑائی کے لئے تیار ہو جا۔ (تریاق القلوب صفحہ نمبر ۱۳۰ و ۱۳۱)

فی الجملہ مجھے تو ایک بھی بات احمدی عقاید خاصہ میں ایسی نظر نہیں آتی جو اہلسنت والجماعت میں پہلے ہی سے کسی نہ کسی کا مذہب نہ ہو۔ علاوہ ازیں وہ تو ایسی باتیں نہیں جن کو اصول ایمان سمجھا جائے۔ ان کا ماننا میرے نزدیک از دیاد ایمان کا موجب ہو سکتا ہے۔ وہ ایک شخص کے حصے میں معرفت اور خیرو برکت لے آتے ہیں۔ لیکن وہ ایمانیات میں داخل نہیں۔ وہ تو ایسی ہی ہیں۔ جیسے دیگر نام نہاد فرقہائے اسلام کی امتیازی باتیں ہیں۔ اور نیز کفر و ایمان کا فیصلہ کرنا ایک غلط راہ ہے۔ یہاں میں ایک لفظ میں اس بات کا ذکر کر دیتا ہوں۔ جو احمدی اور غیر احمدیوں میں فارق ہے۔ وہ ہے اس زمانہ کے مجدد کی تعین اور آنے والے مسیح کی تشخیص۔ دوسروں نے اس صدی کے مُجَدِّدْ کو تلاش نہیں کیا احمدیوں نے ایک کے وجود میں مخبر صادقؐ کا وعدہ پورا ہوتے دیکھا۔ دوسرے ابھی مسیح موعود کے منتظر ہیں۔ احمدیوں کے نزدیک آثار زمانہ اس وقت کو لے آئے تھے۔ جس کا ذکر حدیثوں میں ہے۔ اور جو ظہور مسیح کے لئے مختص تھے۔ اس لئے انہوں نے مجدد وقت کو مَسِیْح مَوْعُوْد قبول کر لیا۔

اب ان اوراق کے پڑھنے والے غور کریں چشم بصیرت سے دیکھیں۔ ایسا ہی خود احمدی اصحاب سوچیں کہ کیا احمدی جماعت ان معنوں میں اسلام کا کوئی فرقہ ہو سکتی ہے۔ جیسے دوسرے مذاہب میں فرقے موجود ہیں۔ میں پھر کہتا ہوں اور ببانگ بلند کہتا ہوں کہ **اسلام میں کوئی فرقہ نہیں** نہ پرانا نہ نیا۔ سُنّی۔ شیعہ۔ حنفی۔ مالکی۔ شافعی۔ حنبلی۔ احمدی۔ چشتی۔ نقشبندی سہروردی۔ قادری۔ معتزلی۔ جہمیہ۔ قدریہ۔ جبریہ۔ الغرض یہ سب کے سب فرقے نہیں۔ یہ تو مختلف سکولز آف تھاٹ ہیں۔ یعنے امور فرعیہ میں مختلف آراء رکھنے والے جو موجب رحمت ہو سکتے ہیں۔ اگر انہیں تکفیر و تفسیق کا سبب نہ سمجھا جائے۔ فرقہ وہی ہے جو اصولی امور میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتا ہو۔ اور بس۔ باقی سب ان لوگوں کے فساد ہیں۔ جنہیں فرقی فسادات کے قائم رکھنے میں فائدہ ہے۔ جن کی جیبیں اس قسم کے فرقی تنازعات قائم رکھنے سے بھرتی ہیں۔ جن کی مجلسیں انہیں جھگڑوں سے گرم ہوتی ہیں۔ اگر آج مسلمان اس حقیقت سے آشنا ہو کر فرقی تنازعات کو اہمیت نہ دیں۔ اور اس کو ایک امر زائد سمجھیں۔ تو آج بہت سی

گدّیاں مٹ جاتی ہیں۔ آج بہت سے وعظ پھیکے ہو جاتے ہیں۔ آج بہت سے رسالے اور اخبار بند ہو جاتے ہیں۔ ہاں مسلمانوں کا اس میں نفع عظیم ہوگا۔ ان میں یک جہتی یکجائی پیدا ہو جائے گی۔ وہ غیر مسلموں کے مقابل ایک ہوں گے۔ اور فتح و نصرت کو اپنے شامل حال کر کے مسلمانانِ سلف کی طرح خیر و برکت کے مالک ہو جائیں گے۔

فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ (الحشر ۵۹: ۲) وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا[1] وَلَا تَنَازَعُوْا (الانفال ۸: ۴۶)

ہاں یہ بات بالکل سچ ہے کہ آج گذشتہ چار پانچ برس سے احمدی جماعت میں ایک نیا گروہ پیدا ہو گیا ہے۔ جس کے معتقدات کل اسلامی دنیا سے اور ایسا ہی خود احمدی جماعت کے مقدس بانی کے معتقدات سے بالکل جُداگانہ ہیں۔ وہ حضرت ختمیت مآب علیہ الصّلوٰۃ والتحیات کے بعد ایک اور نبوّت کے قائل ہیں۔ وہ حضرت مِرزا صاحب کو نبی قرار دیتے ہیں۔ اور جو انہیں ایسا قبول نہ کرے اسے کافر سمجھتے ہیں۔ یہ وہ بات ہے جو سلف صالحین میں ہمیں نظر نہیں آتی۔ حضرت مِرزا صاحب نے مختلف مقامات پر لکھا ہے۔ کہ میرے معتقدات میں کوئی بھی امر ایسا نہیں کہ جس کے ماننے والا پہلوں میں سے کوئی نہ کوئی نکلے۔ فیصلہ کی تو آسان راہ تھی۔ یہ جدید الخیال قادیانی غور کر لیتے۔ کہ کیا صالحین سابقہ میں سے ان تیرہ سو برس میں ایک بھی انسان ایسا ہوا جس نے اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد نبوّت کا دعوٰے کیا ہو یا جس نے اپنے دعوے کے منکر کو یا آنحضرت صلعم کے بعد کسی اُمّتی کے کسی ذاتی دعوے کے منکر کو کافر قرار دیا ہو۔ یہ بذات خود تو کوئی دلیل نہیں۔ لیکن حضرت مِرزا صاحب کے کسی متبع کے مقابل یہ امر برہان قاطع ہے کیونکہ جب ان کا مرشد صریح الفاظ میں کہتا ہے۔ کہ میرا کوئی عقیدہ یا میری کوئی تعلیم ایسی نہیں جو سابقین میں کہیں نہ کہیں نہ پائی جاتی ہو۔ تو پھر آسانی سے فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اس نبوّت اور کفر کے مسئلہ کی اختراع آغاز ۱۹۱۴ء میں ہوتی ہے۔ اگر اس کی نظیر اسلام میں پہلے موجود نہیں تو پھر یہ عقیدہ حضرت مِرزا صاحب پر ایک افترا ہے۔ جو ان لوگوں نے کسی خاص ضرورت کے لئے حضرت پر باندھا ہے۔ اور یہ وہ بات ہے۔ جس سے اِن عقاید باطلہ کے مخترع ناآشنا نہیں۔ نہ

[1] آل عمران ۳: ۱۰۳

حضرت مرزا صاحب نے اپنی زندگی میں یہ باتیں تعلیم کیں۔ نہ ان کی زندگی میں کسی ان کے مرید نے ایسا ایمان رکھا۔

۱۹۱۵ء میں جب احمدی جماعت میں ان باتوں پر اختلاف ہوا۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ لوگ جن میں پیر پرستی کا مادہ ہے۔ بے سوچے سمجھے ضلالت میں اس لئے پڑتے جاتے ہیں کہ انہیں آثار پرستی حضرت مرزا صاحب کے جسمانی متعلقین سے وابستہ کر رہی ہے۔ اور ان میں اتنی سمجھ ہی نہیں کہ وہ ان بحثوں کو سمجھ سکیں۔ اس لئے میں نے ایک آسان راہ نکالی۔ ایک حلف نامہ میری طرف سے شائع ہوا۔ جس میں میں نے حلفاً بیان دیا۔ کہ ہم نے حضرت مرزا صاحب کی زندگی میں نہ یہ عقیدہ رکھا۔ اور نہ سُنا۔ میں نے جماعت احمدیہ میں سے سو آدمی انتخاب کئے۔ پچاس ایک طرف کے پچاس دوسری طرف کے۔ اور یہ وہ اصحاب تھے۔ جن میں سے بعض حضرت مرزا صاحب کی زندگی میں برسوں کے ملنے والے اور ان کی خدمت میں حاضر ہونے والے تھے۔ میں نے اس اشتہار میں ان احباب سے یہ مطالبہ کیا۔ کہ میں تم سے یہ نہیں پوچھتا کہ تمہارے نزدیک آج ۱۹۱۵ء میں صحیح عقیدہ کیا ہے۔ یا پہلے صحیح عقیدہ کیا تھا۔ میں صرف تم سے بطور امر واقعہ یہ پوچھتا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب کی زندگی میں ان کی وفات تک تم حضرت مرزا صاحب کو کیا مانتے تھے۔ آیا ظلی۔ بروزی۔ جزوی نبی یا حقیقی نبی۔ آیا تم منکر دعوئے حضرت کو محض اس انکار کے باعث کافر سمجھتے تھے۔ یا آیا تم نے کبھی حضرت مرزا صاحب کے متعلق یہ خیال کیا یا کسی سے سُنا کہ انہوں نے اپنا عقیدہ مسئلہ نبوت کے متعلق بدلا۔ یہ تین امور انہوں نے بطور شہادت حلفیہ بیان کرنے تھے۔ بات تو بالکل سیدھی اور فیصلہ کن تھی۔ لیکن ان عقاید فاسدہ کے بنانے والے اور باہمی تخالف کے قیام میں اپنا نفع دیکھنے والے فی الفور سمجھ گئے کہ اس حلفیہ شہادت کا مطالبہ اگر پورا ہو گیا۔ تو ان کے سارے منصوبے خاک میں مل جائیں گے۔ حضرت قبلہ مولینا مولوی محمد علی صاحب مدظلہ مصنف ترجمۃ القرآن انگریزی کے ہم عقیدہ احمدیوں نے میرے اس اشتہار پر لبیک کہا۔ ان کے حلف نامے آنے شروع ہو گئے۔ انہوں نے یک زبان ہو کر یہی لکھا کہ ہم نے کبھی حضرت مرزا صاحب کی زندگی میں انہیں حقیقی نبی نہیں مانا۔ ہاں ہم ان کے تعلق میں ایک ظلی نبوت کے قائل تھے۔ اور اس قسم کی

بُروزی نبوت کے وارث ہم اور علماءِ ربانی مثلاً شَیخ عَبدُ القَادِرُ گیلانی وغیرہ کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ ہم نے حضرت کی زندگی میں آپ کے دعوے کے منکرین کو محض ایسے انکار کے باعث کافر نہیں سمجھا۔ اور نہ ہمارے علم ویقین میں ہے کہ مِرزا صاحبؑ نے کبھی اپنے مرتے تک کوئی اپنا عقیدہ بدلا۔ اس بیان کو میری طرح ان دوستوں نے موکد بہ حلف کیا۔ جس نے ان کی ایمانداری پر مہر کر دی۔

ہاں میرے اس حلفی مطالبہ پر ان اصحاب قادیان نے جو آج حضرت مرزا صاحب کو نبی اور ان کے نہ ماننے والوں کو کافر ٹھیرا رہے ہیں۔ جو کچھ کیا وہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ لوگ کہاں تک راستی کی عزت کرتے ہیں۔ انہوں نے منہ اُٹھا کر قادیان کی طرف دیکھا۔ اور قادیان سے یہ حکم نکلا کہ کوئی حلفیہ بیان نہ دے۔ سب کی طرف سے ہم قسم کھائیں گے۔ اس کے جواب میں ان لوگوں کو بذریعہ اشتہار[1] سمجھایا گیا۔ کہ یہ حلفی شہادت کا مطالبہ ہے۔ اور قرآن کریم میں حلفی شہادت کے چھپانے والے کے متعلق سخت وعید ہے۔ علاوہ ازیں مطالبہ تو یہ ہے کہ تمہارا ۱۹۰۸ء تک کیا عقیدہ تھا۔ عقیدہ تو دل سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ تو ایک قلبی کیفیت ہے۔ کوئی دوسرا کس طرح اس معاملہ پر قسم کھا سکتا ہے۔ لیکن گدی پرستی انسان کو اندھا کر دیتی ہے۔ ان لوگوں کو بار بار کہا گیا۔ کہ قرآن کے حکم وَلَا تَکْتُمُوا الشَّهَادَةَ (۲:۲۸۳) کے مقابل اس شخص کی بات کو نہ سنو جس کو تم نے پیر بنا

---

[1] **ضروری اطلاع** ہمارے احباب خواجہ صاحب کو فرداً فرداً جواب نہ دیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے بارہ میں جو حلفیہ شہادتیں خواجہ صاحب نے ان دنوں احمدی برادران و بزرگان ملت سے طلب کی ہیں۔ ان کی نسبت جدا جدا طبع آزمائی کی ضرورت نہیں۔ سلسلہ عالیہ کے مرکز اور مقام خلافت ہی سے سب کا یکجائی جواب انشاءاللہ کافی و تشفی بخش ہو جائے گا۔ جسکے شائع ہونے کی عنقریب امید کیجاتی ہے وباللہ التوفیق۔ احباب کی اطلاع کیلئے ان چند سطور کا اعلان ضروری سمجھا گیا۔ جن دوستونکی نظر سے یہ اعلان گذرے وہ دوسرے بھائیونکو بھی آگاہ کر دیں۔ والسلام

ایڈیٹر الفضل (قادیان جلد ۳ نمبر ۱۲۔ ۲۰ جولائی ۱۹۱۵ء صفحہ اول کالم اول)

رکھا ہے۔ کسی پیر کے حکم کو قرآن کے حکم پر ترجیح دینا صریح ضلالت ہے۔ افسوس کسی نے پرواہ نہ کی۔ یہ لوگ قرآنی وعید تلے آگئے۔ دوسری طرف جس نوجوان نے سب کی طرف سے حلف لینے کا اقرار کیا تھا۔ اس سے جو سرزد ہوا وہ قابل افسوس نہیں اس کی عمر کا تقاضا یہی تھا۔ کہ وہ جو آج کہے کل اس کے الٹ کرے۔

میں نے اس اشتہار حلفی میں میاں محمود احمد صاحب کو امور بالا پر حلف لینے کے لئے اس لئے مخاطب نہ کیا کہ ان کی عمر حضرت مرزا صاحب کی وفات پر ۱۷ - ۱۸ سال کی تھی۔ ان کو بہت ہی کم موقعہ اس وقت تک حضرت کی صحبت کا ملا تھا۔ ہاں چونکہ یہ بات انہوں نے ۱۹۱۴ء یا ۱۹۱۵ء میں ایجاد کی تھی۔ کہ مرزا صاحب نے اپنے عقاید آخر بدل لئے۔ اس لئے ان سے یہ مطالبہ کیا گیا۔ کہ وہ حلفاً بیان کریں۔ کہ ان کے سر میں یہ بات کب آئی کہ حضرت نے کوئی عقیدہ بدلا۔ ان نوجوان نے اس مطالبہ کو تو ایک طرف رکھا۔ ہاں سب کی طرف سے یہ حلف لے لیا کہ میں حلفاً بیان کرتا ہوں کہ میں مرزا صاحب کو نبی سمجھتا ہوں۔ یہ میاں صاحب کی تدبیر شاید ان کے مریدوں کے لئے خوش کن ہو۔ لیکن اس قسم کا حلف تو ایک عیسائی بھی لے سکتا ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ میں خدا کو حاضر و ناضر جان کر حلفاً بیان کرتا ہوں میرے ایمان و عقیدہ میں مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ ایک آریہ بھی کہہ سکتا ہے کہ میرے عقیدہ میں مادہ قدیم ہے اور وہ اس پر حلف بھی لے سکتا ہے۔ اور یہ حلف خدا کے نزدیک قابل گرفت بھی نہیں۔ یہ حلف اس بات کی نہیں کہ مسیح واقعی خدا ہے یا نہیں۔ یا مادہ قدیم ہے یا نہیں۔ حلف لینے والا تو صرف اسقدر بیان کر رہا ہے کہ اس کا کیا عقیدہ ہے۔ ہم نے تو یہ مطالبہ نہیں کیا تھا۔ کہ میاں محمود صاحب کا یا اس کی جماعت کا کیا عقیدہ ہے۔ حلفیہ شہادت اس امر میں طلب کی گئی تھی کہ مرزا صاحب کے ماننے والے ان کو ان کی زندگی میں کیا مانتے تھے۔ میرا اور میرے ہمراہ اور بزرگان سلسلہ احمدیہ کا خوشی سے حلفیہ بیان دے دینا۔ اور فریق مقابل کا حلفیہ بیان دینے سے گریز کرنا اس امر کو قطعی طور پر فیصلہ کر دیتا ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب کی زندگی میں نہ کسی نے ان کو حقیقی نبی مانا۔ نہ ان کے منکرین کو محض انکار دعوٰے کی بنا پر کسی نے کافر سمجھا۔ یہ بالکل سچ ہے کہ احمدی جماعت حضرت مرزا صاحب میں ایک جزوی نبوت کی قائل ہے اور اس بروزی نبوّت کے وارث وہ صلحاء اُمّت کو بھی مانتے تھے۔ اسی عقیدہ پر کُل کی کُل جماعت احمدیہ ۱۹۱۴ء تک قائم رہی۔ پھر خلافت اور جانشینی کے تنازعات نے ان عقاید فاسدہ کو

تراشا۔ اور بعض حضرت مرزا صاحب کو نبی ماننے لگے۔ اس عقیدہ کی ترویج میں حضرت مرزا صاحب کے بعض قولوں کو سیاق وسباق سے الگ کرکے پیش کیا گیا۔ جہاں وہ اپنے متعلق استعارتاً لفظ نبی یا رسول کو استعمال کرتے ہیں۔ اسی بات سے ان کے مخالفین نے بھی دھوکا کھایا تھا۔ انہوں نے بھی مجاز کو حقیقت پر محمول کیا۔ کیا حیرت انگیز بات ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب مدت العمر اپنے مکفرین سے بار بار یہ کہتے رہے۔ کہ میں نے یہ الفاظ مجازاً استعمال کئے ہیں۔ نہ حقیقتاً۔ اور ان کے مخالف بالمقابل یہ کہتے رہے کہ نہیں تم حقیقی طور سے ان الفاظ کو استعمال کرتے ہو۔ حتےٰ کہ اپنے مرنے سے تین سال پہلے آپ نے پھر استفتاء لکھا۔ اور بڑے زور سے یہ کہا "آنحضرتؐ کے بعد نبوت ختم ہوگئی۔ کسی کا آنحضرتؐ کے بعد حق نہیں کہ وہ دعوئے نبوت کرے۔ آنحضرتؐ کے بعد نبوت کی کل اجزائے مختلفہ میں سے صرف ایک جز باقی رہ گئی ہے۔ اور وہ کثرت مکالمہ ہے۔ اور یہ صرف اتباع مصطفویہ سے ہی کسی کو حاصل ہوسکتی ہے۔ اور میں نے اگر یہ فیض پایا تو محض اتباعِ رسولؐ سے پایا" (الاستفتار ضمیمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۵)

جب خود حضرت مرزا صاحب علماء غیر احمدی سے ان الفاظ بالا میں اپنے اوپر فتوے ایمان و کفر طلب کرتے ہیں۔ تو ان کی اس عبارت کے وہ معنے لینے چاہئیں۔ جو غیر احمدی مخاطب مفتی لیں گے۔ نہ یہ کہ میاں محمود اس سے کیا سمجھتا ہے۔ کیا **عجیب بات** ہے ؟ کہ باپ کہے کہ جو میرے مکفرین نے میری عبارت سے سمجھا۔ وہ غلط سمجھا۔ آپ کے صاحبزادے فرماتے ہیں۔ نہیں مکفرین نے ہی صحیح سمجھا۔ میرے (مقدس) باپ کو ہی مدت العمر سمجھ نہیں آئی۔ معاذ اللہ۔

اس جھگڑے کو مٹانے کے لئے حضرت مرزا صاحب کا مدت العمر کیا عقیدہ رہا۔ ان کی ابتدائی تحریریں ہم نے درج کردی ہیں۔ تحریر بالا ۱۹۰۶ء میں برنگ استفتار شائع ہوتی ہے۔ اس کے بعد اس مسئلہ پر ان کی اور کوئی تحریر نہیں۔ وہ اس تحریر میں میاں محمود صاحب یا اپنے کسی مرید کو مخاطب نہیں کرتے۔ وہ غیر احمدیوں کو اور شاید اپنے مکفرین کے سامنے اپنے معتقدات کو پیش کرتے ہیں۔ بحیثیت مستفتی ان کا فرض ہے کہ وہ اپنے مطالب استفتار کو ایسی زبان میں پیش کریں۔ جو ان کے مخاطب مفتی سمجھ سکیں وہ الفاظ کو ان معنوں میں استعمال کریں۔ جو ان کے مخاطب مفتیوں کے ہاں جائز ہوں۔ نہ ان معنوں کو جو ہمارے صاحبزادہ صاحب نے تراشے ہیں۔ ان کے نزدیک تو مجاز

کے معنے بھی حقیقت ہے۔ الغرض کسی غیر احمدی کے سامنے خواہ وہ عالم ہو یا غیر عالم یہ استفتاء پیش کرو اور اس سے دریافت کرو۔ کہ حضرت مرزا صاحب اس استفتاء میں انکار نبوّت کرتے ہیں۔ یا دعویٰ نبوّت آیا وہ ایک جُزوی نبوّت کے مُدّعی ہیں۔ یعنے کثرت مبشرات کے یا نبوّت کُلیہ کے۔ اور اس کثرت مکالمہ کا نام ایک نبوّت مجازی رکھتے ہیں۔ یا حقیقی نبوّت اور رسالت۔ اور معاملہ ابھی طے ہو جاتا ہے۔ اسی طرح میں غیر احمدی اصحاب سے جو اس کتاب کا مطالعہ کریں۔ عرض کرتا ہوں کہ وہ خود اس استفتاء کے الفاظ میں دیکھ لیں۔ کہ حضرت مرزا صاحب کو نبوّت سے صریح انکار ہے۔

حضرت مرزا صاحب نے کبھی بھی دعویٰ نبوّت نہیں کیا۔ ہاں لفظ نبی اور رسُول انہوں نے استعارتاً ایک ضرورت کے لئے اپنی تحریروں میں اپنے متعلق استعمال کیا۔ جس کے متعلق میں آگے چل کر کچھ لکھوں گا۔ لیکن یہ امر تو کچھ ان سے مختص نہیں۔ صوفیائے کرام کی تحریروں میں بعض وقت خود نبی اور رسول کا لفظ اولیاء کرام کی شان میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن یہ الفاظ محض اپنے لغوی معنوں میں یا استعارتاً استعمال ہوتے ہیں۔ رسول کے معنی بھیجا ہوا۔ اور نبی کے معنی خدا سے خبر پانے والا۔ اور تو اور خود قرآن نے لفظ مُرسَلُ غیر نبی پر بولا ہے۔ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا اَصْحَابَ الْقَرْيَةِ اِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ (یٰس ۳۶ : ۱۳) لفظ نبی مجازی معنوں میں غیر نبی پر خود حدیث میں آیا۔ مثلاً روح المعانی میں بیہقی کی ایک روایت نقل کی گئی ہے۔ جو ابو امامہ سے مروی ہے۔ قَالَ قَالَ رَسُوْلِ اللّٰهِ مَنْ قَرَاءَ ثُلُثَ الْقُرْاٰنَ اَعْطٰى ثُلُثَ النُّبُوَّةِ وَمَنْ قَرَاءَ نِصْفُ الْقُرْاٰنَ اَعْطٰى نِصْفَ النُّبُوَّةِ وَمَنْ قَرَاءَ ثُلُثَيْهِ اَعْطٰى ثُلُثَيِ النُّبُوَّةِ وَمَنْ قَرَاءَ الْقُرْاٰنَ كُلِّهِ اَعْطٰى كُلَّ النُّبُوَّةِ۔ یعنی جس شخص نے ایک تہائی قرآن پڑھا اس کو ایک تہائی نبوّت دی گئی۔ اور جس نے نصف قرآن پڑھا اس کو نصف دی گئی۔ اور جس نے کل قرآن پڑھا اسے ساری نبوّت دی گئی۔ اور جس نے دو تہائی پڑھا۔ اس کو دو تہائی نبوت دی گئی۔ اس حدیث میں پڑھنے سے مُراد نہ کسی نے عمل کا قرآن پڑھنا ہے۔ نہ نبوّت سے مراد حقیقی نبوّت ہے۔ وہی جزدی نبوت جس کا دوسرا نام مبشرات یا رویائے صادقہ آنحضرتؐ نے تجویز فرمایا ہے۔ اور یہ امر فی الحقیقت صحیح ہے۔ خود قرآن ایک عالِم قرآن سے

ان مبشرات کا وعدہ فرماتا ہے۔ لَھُمُ البشریٰ فی الحیٰوۃ الدنیا (یونس) ۱۰: ۶۴ انہیں لوگوں پر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ انہیں کی دلجوئی ملاء اعلیٰ کے رہنے والے کیا کرتے ہیں۔ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (حمٓ) ۴۱: ۳۰ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں دوسرے لوگ یا ضرورتاً وہ اپنے آپ کو بعض وقت برنگ استعارہ نبی کہتے رہے ہیں۔ مولانا روم انہیں کے متعلق کہتے ہیں ؏

او نبیٔ وقت باشد اے مُرید

حضرت محی الدین ابن عربی نے بدین خیال کہ لفظ نبی مخلوط نہ ہو جائے یوں فرمایا ہے۔ فَالنُّبُوَّةُ سَارِيَةٌ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ فِي الْخَلْقِ وَإِنْ كَانَ التَّشْرِيعُ قَدِ انْقَطَعَ۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ نبوّت یعنی اللہ تعالےٰ سے انسان کی ہمکلامی تو خلق میں قیامت تک جاری رہے گی۔ البتہ تشریع منقطع ہو گئی۔ نبوّت لغوی معنوں میں ہمکلامی خدا کا نام ہے۔ لیکن اس ہمکلامی کا مقصد اصلی اُن شرائع اور ہدایا کا دنیا میں لانا ہوتا ہے۔ جس پر انسان چل کر تکمیل نفس کرلے۔ ان تمام ہدایا اور شرائع کو قرآن کریم نے کمال تک پہنچا کر نبوت پر مہر لگا دی۔ ہاں اگر دنیا میں سے خدا کی ہمکلامی کا وجود بھی مٹ جائے تو پھر کسی شریعت کے منجانب اللہ ہونے کا یقینی اور عملی ثبوت بھی مٹ جائے گا۔ اگلی امت مرحومہ پر یہ فضل ہوا۔ کہ ان میں ربانی ہمکامی کا دروازہ کھلا رہا ہر ملک و ہر زمانے میں خدا کے ولی پیدا ہوتے رہے۔ جس سے خدا بولا اور اس طرح بول کر ان کو اور ان کے ہمعصروں کو ثبوت دیتا رہا۔ کہ قرآن اور اس سے پہلے کے دوسرے مقدس صحیفے خدا کی کتابیں ہیں۔ اور اس کے منہ بولے لفظ۔ یہ لوگ بالفاظ حضرت مرزا صاحب جن میں وہ اپنے آپ کو بھی شمار کرتے ہیں۔ نبی نہیں ہوتے آپ نے فرمایا۔

وایشاں را **رنگ انبیاء** دادہ مے شود۔ و در حقیقت انبیاء نیستند۔ زیرا کہ قرآن حاجت شریعت را بکمال رسانیدہ است۔ و دادہ نمی شود مگر فہم قرآن و نہ زیادہ میکنند و نہ کم میکنند (مواہب الرحمٰن صفحہ ۶۶-۶۷)

اس جگہ حضرت مرزا صاحب کیا لطیف پیرایہ میں اور مَا قَلَّ وَ دَلَّ طریق پر حقیقت نبوت ظاہر فرماتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ نبوّت یعنے خدا سے خبر پانے کی غرض تو ربانی شریعت کو خدا

سے پاتا ہے۔ جو تکمیل نفس کے لئے انسان کی ہادی ہو۔ جب قرآن آگیا اور ہدایت کا کوئی شعبہ باقی نہ تو پھر نبوت کیسی۔ اس کی تو غرض وغایت پوری ہو چکی۔ ہاں تکمیل نفس انسانی کا ایک بھاری معراج خدا سے ہمکلامی ہے۔ جو چاہے آج قرآن کی ہدایت پر چل کر اسے یعنے مکالمۃ الٰہیہ کو پالے۔ اور خدا سے کثرت کے ساتھ باتیں کر کے مجازی طور پر یا جزوی طور پر نبی بن جاوے۔ انہیں مجازی معنوں میں بیہقی والی حدیث لفظ نبوت کو استعمال کرتی ہے۔ اسی مفہوم میں مولینا روم مرشد کو نبیٔ وقت کہتے ہیں۔ ہاں بلا ضرورت حقہ ان اولیاء کرام کو نبی نبی کہہ کر پکارنا نہ صرف لفظ نبی کی ہی تذلیل کرنا ہے۔ بلکہ اسلام میں ایک قسم کی رخنہ اندازی اور بقول حضرت مرزا صاحب مسئلہ ختمیت نبوت سے مضحکہ اور یہ وہ مسئلہ ہے کہ جس پر ایمان رکھنا ہر مسلم کا فرض ہے۔ اور جس کے انکار سے انسان کافر ہو جاتا ہے کسی امر کی تشریح میں یا کسی ضرورت حقہ کے دفعیہ میں جیساکہ اس زمانہ کے مجدد کو ضرورت پڑی لفظ نبی کا استعمال کر دینا اور بات ہے۔ مگر لفظ نبی کو کسی امتی کی شان میں استعمال کرنا اور اس کا وظیفہ بنا لینا صرف اپنے لئے خذلان اور ضلالت کو پیدا کرنا ہے۔ دراصل نبی تو امتی کا نام ہو ہی نہیں سکتا۔ جو شخص حضرت مرزا صاحب کی طرح بار بار اپنے آپکو امتی کہے اور اس سے بڑھ کر اپنے آپ کو امور تفقہ میں اِمَامِ اَعْظَم رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کا مقلد کہے وہ نبی کے اسم سے کیسے موسوم ہو سکتا ہے۔ امتی اور پھر نبی۔ کیا عجیب بات ہے۔ پھر میں کہتا ہوں۔ کہ حنفی اور نبی۔ العجب ثم العجب۔

اگر اسے کسی وقتی مصلحت سے نبی کے نام سے پکارا گیا۔ تو وہ اس کا اسم نہیں وہ تو لقب ہے۔ وہ حقیقت نہیں وہ مجاز ہے۔ اس کا یہ خطاب حقیقی نہیں بلکہ آنریری اور اعزازی ہے۔ یہ وہ امر ہے۔ جسے حضرت مرزا صاحب نے خود تسلیم کیا ہے جیسے کہ فرمایا۔ مجھے اعزازی یعنے آنریری طور سے نبی کہا گیا ہے۔ نہ حقیقی طور سے۔ چنانچہ اسی حقیقت کو نہایت پیارے الفاظ میں حضرت پیران پیر شیخ عبد القادر علیہ الرحمۃ نے یوں فرمایا ہے۔ اُوْتِیَ الْاَنْبِیَاءُ اِسْمُ النُّبُوَّۃِ وَاُوْتِیْنَا اللَّقَبُ (جلد ۲ صفحہ ۳۹ کتاب الیواقیت والجواہر)

حضرت مرزا صاحب کے ان نادان نام لیواؤں کو اس غلطی سے بچنا چاہیئے جس میں وہ

"ایسے ہی بہت سے الہام ہیں جس میں اس عاجز کی نسبت نبی یا رسول کا لفظ آیا ہے لیکن وہ غلطی کرتا ہے۔ جو ایسا سمجھتا ہے کہ نبوت سے مراد حقیقی نبوت اور رسالت ہے۔ جس سے انسان صاحب الشریعت کہلاتا ہے۔ بلکہ رسول کے لفظ سے اسی قدر مراد ہے کہ خدا تعالیٰ سے علم پاکر پیشگوئی کرنے والا یا معارف پوشیدہ بتانے والا۔ سو چونکہ ایسے لفظوں سے جو محض استعارہ کے رنگ میں ہیں۔ اسلام میں فتنہ پڑتا اور اس کا نتیجہ سخت بد نکلتا ہے۔ اسی لئے اپنی جماعت کی معمولی بول چال اور دن رات کے محاورات میں یہ لفظ نہیں آنے چاہئیں۔ اور دلی ایمان سے سمجھنا چاہیئے کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ اس آیت کا انکار کرنا یا استخفاف کی نظر سے دیکھنا درحقیقت اسلام سے علیحدہ ہونا ہے۔" (اخبار الحکم ۱۷ اگست ۱۸۹۹ء)

یعنی مرزا صاحب کے متعلق بار بار لفظ نبی استعمال کرنا یا ان الفاظ کو حقیقت پر محمول کرنا اس آیت کا انکار ہے۔ میں یہاں ان دوستوں کی ہدایت کے لئے وہ تحریر بھی نقل کر دیتا ہے جو آپ نے ۱۸۹۲ء میں بطور اقرار نامہ لکھ کر شائع کی۔

تمام مسلمانوں کی خدمت میں گزارش ہے۔ کہ اس عاجز کے رسالہ فتح اسلام و توضیح مرام و ازالۂ اوہام میں جس قدر ایسے الفاظ موجود ہیں کہ مُحَدَّث ایک معنی میں نبی ہوتا ہے۔ یا یہ کہ محدثیت جزوی نبوت ہے۔ یا یہ کہ محدثیت نبوت ناقصہ ہے۔ یہ تمام الفاظ حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں۔ بلکہ صرف سادگی سے ان کے لغوی معنوں کی رو سے بیان کئے گئے ہیں۔ ورنہ حاشا و کلا مجھے

نبوتِ حقیقی کا ہرگز دعوےٰ نہیں ہے

بلکہ جیسا کہ میں کتاب ازالۂ اوہام کے صفحہ ۱۳۷ میں لکھ چکا ہوں۔ میرا اس بات پر ایمان ہے کہ ہمارے سید و مولا محمد مصطفےٰ خَاتَمُ الْاَنْبِيَاءِ ہیں۔ سو میں تمام مسلمان بھائیوں کی خدمت میں واضح کرنا چاہتا ہوں۔ کہ اگر وہ ان لفظوں سے ناراض ہیں۔

اور ان کے دلوں پر یہ لفظ شاق گزرتے ہیں۔ تو وہ ان الفاظ کو ترمیم شدہ تصور فرما کر بجائے اس کے مُحدّث کا لفظ میری طرف سے سمجھ لیں۔ کیونکہ کسی طرح مجھ کو مسلمانوں میں تفرقہ اور نفاق ڈالنا منظور نہیں ہے "

ہمارے وہ احمدی دوست جو ہمیں محض اس لئے بُرے الفاظ کے ساتھ یاد کرتے ہیں کہ ہم حضرت مرزا صاحب کو نبی نہیں مانتے ہیں وہ ہمیں بتلائیں۔ کہ ہم ان الفاظ کو کیا کریں۔ وہ ان الفاظ کی عزت کریں۔ اور مسلمانوں میں تفرقہ نہ ڈالیں۔ اگر یہ الفاظ نہ بھی ہوتے تو پھر بھی قرآن کے ہوتے ہوئے ہم محمد عربی کی رسالت کے بعد نہ کسی کی نبوت کے قائل ہو سکتے ہیں۔ نہ ہمیں کسی نبوتِ حقہ کی ضرورت نظر آتی ہے۔ میں آج بھی اعلان کرتا ہوں۔ کہ اگر مجھے حضرت مرزا صاحب کے متعلق ثابت ہو جائے کہ آپ نے دعویٰ نبوت کیا تو میں آن واحد میں ان سے قطع تعلق کر سکتا ہوں۔ ہم تو ان کے خدمت میں اسلام سیکھنے گئے۔ ہم تو ان کے قدموں میں خاتم النبیین کی باتیں سیکھنے گئے۔ ہم نے ان کی غلامی اس لئے اختیار کی کہ وہ احمد مجتبےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک حقیقی غلام ہے۔ ہم تو اس کے اس لئے عاشق بنے۔ کہ وہ ہمارے محبوبؐ کا سچا عاشق تھا۔ اس کے دل میں رسول عربی کی وہ غیرت اسلام کی وہ حمیت اور قرآن کی وہ عصبیت تھی کہ جس کا عشر عشیر ہم نے فی زمانہ کسی اور عالم یا اور کسی امتی میں نہ دیکھا۔ اور یہ وہ باتیں ہیں۔ جو ہم نے نہ صرف اس کی تحریر اور تقریر میں دیکھیں۔ بلکہ خلوت میں جلوت میں رات دن اس کے پاس رہ کر خاص خاص امور اور خاص خاص وقتوں میں ان کا شاگرد بن کر۔ مرید بن کر بیٹا بن کر۔ ان کا دوست رفیق اور مشیر بن کر دیکھیں اور سنیں فی الجملہ جو بات مجھے کھا گئی۔ اور جس نے مجھے ان کا والہ و شیدا بنایا۔ وہ ان کی محبت و غیرتِ رسولؐ تھی۔ وہ اپنی ذات اپنے آرام و راحت کو بھول جاتے ہیں۔ جہاں عزتِ رسولؐ ہدف حملہ نا اہلیت ہوتی تھی یہ ادنےٰ سے ادنےٰ جذبۂ اسلام جو میرے سینہ میں اس وقت جوش زن ہے۔ اسکا ابھارنے والا وہی مقدس انسان ہے یہ ایک بے حقیقت سے بے حقیقت غیرت قرآن جو مجھے بیچین کر کے یہاں سے یورپ لے گئی۔ اس کا محرک وہی پاک نفس۔ وقت کا امام لیکن خادمِ اسلام ہے۔ فی الجملہ خفیف سے خفیف تعلق نبی کریم صلعم جس نے آخر کار بھڑک کر کچھ عرصہ سے میرے نفس میں

دنیا کی محبت کے خس و خاشاک کو جلانا شروع کر دیا۔ اس کے سلگانے والا وہی **چودھویں صدی کا مجدد** تھا۔ جس نے عشق رسول میں سچے طور پر اعلان کیا ۔ ع

اول کسیکہ بانگ تعشق زند منم

اور پھر فرمایا ؎

بعد از خدا بعشق محمد مخمرم ، گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

ایسا انسان جس کی زندگی کا مقصد اس مادیت کے زمانہ میں نبوت رسول کو منوانا تھا۔ کیا وہ اپنی ذات کے منوانے کے لئے دنیا میں آتا۔ وہ جو آنحضرت صلعم کی شان میں کہتا ہے۔

اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں ، وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

کیا وہ ہمسریٔ رسول کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ جیسا کہ ایک خیرہ چشم نے اسکے متعلق یہ لکھ دیا ع

ایسا نبی کے جیسے محمدؐ خدا ئیگاں

وہ تو عشقِ رسول میں متوالا ہو کر کہتا ہے ؎

جان و دلم فدائے جمال محمدؐ است ، خاکم نثارِ کوچہ آلِ محمدؐ است

دیدم بعینِ قلب و شنیدم بگوش ہوش ، در ہر مکاں ندائے جلال محمدؐ است

ایں چشمۂ رواں کہ بخلقِ خدا دہم ، یک قطرۂ زبحر کمال محمدؐ است

ایں آتشم ز آتشِ مہر محمدی است ، ویں آب من زآبِ زلال محمدؐ است

از درثمین صفحہ ۲۲۸ مطبوعہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور (۱۹۱۶ء)

ایک نادان نوعمر ان اشعار میں اپنے معتقدات کی تردید دیکھ کر اپنے زعم میں ایک نکتہ معرفت تشحیذ الاذہان میں لکھتا ہے کہ ایسی باتیں زیادہ نظم میں حضرت نے لکھی ہیں نثر میں نہیں یعنے یہ شاعرانہ طور پر ہیں العیاذاً باللہ۔ گویا جو حضرت مرزا صاحب نے لکھا وہ شاعر کے رنگ میں لکھا۔

الغرض حضرت مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا جو وصایا میں نے اوپر لکھی ہیں انکے ہوتے ہوئے حضرت مرزا صاحب کی نبوت پر زور دینا خالی ہٹ دھرمی ہے۔ ہاں یہ میاں محمود احمد صاحب کا دل

دگردہ ہے کہ وہ اپنے مقدس باپ اور ہمارے سلطان القلم مرشد کی ان تحریروں کو منسوخ اور راستہ رد قرار دے۔ جیسا کہ اس نے قول الفصل میں لکھا ہے۔ ہاں اگر کسی احمدی یا غیر احمدی کو یہ خیال ہو کہ یہ لفظ نبی یا رسول مجازی طور پر بھی حضرت مرزا صاحب نے کیوں اپنی تحریر میں استعمال کیا۔ تو اصل وجہ بتانے سے پہلے میں ان اوراق کے پڑھنے والے کو اس امر سے اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ قرآن اور حدیث اور اس کے بعد صلحاء سلف نے ان الفاظ کو حضرت مرزا صاحب سے پہلے غیر نبی پر استعمال کیا ہے۔ ہاں ان الفاظ کے حقیقی اور معروف معنوں میں نہیں بلکہ مجازی اور لغوی معنوں میں سورہ یٰسین میں قرآن نے ان تین اشخاص کو جو نبی نہ تھے۔ اور جنہیں بعض مفسرین نے حوارین مسیحؑ تعبیر کیا ہے۔ ان تین اشخاص کو مرسل کے نام سے پکارا ہے۔ وَضَرَبَ لَهُمْ مَثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ (۳۶: ۱۳) صحابہؓ کرام کو قرآن کریم نے ایک اور مقام پر ذیل کی آیت میں لفظ رُسل میں شامل کیا ہے۔ يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا (۲۳: ۵۱)

حدیث میں لفظ نبی مجازی معنوں میں غیر نبی پر آیا ہے۔ مثلاً روح المعانی میں بیہقی کی ایک روایت نقل کی گئی ہے۔ جو ابوامامہ سے مروی ہے۔

یعنی آپؐ نے فرمایا۔

جس شخص نے ایک تہائی قرآن پڑھا اسکو ایک تہائی نبوت دیگئی۔ اور جس نے نصف قرآن پڑھا اس کو نصف نبوت دیگئی۔ اور جس نے دو تہائی پڑھا اس کو دو تہائی نبوت دیگئی۔ اور جس نے کُل قرآن پڑھا اسے ساری نبوت دیگئی۔ اس حدیث میں پڑھنے سے مراد نہ کسی بے عمل کا قرآن پڑھنا ہے۔ نہ نبوت سے مراد حقیقی نبوت ہے۔ وہی جزوی نبوت جس کا دوسرا نام مبشرات یا رویائے صادقہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا ہے۔ لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ یہ ایک حقیقت ہے۔ ایک سچا عامل قرآن انہی معنوں میں نبی ہوجاتا ہے۔ یعنی صاحب مبشرات۔ وہ خدا کو مخاطب کرتا ہے۔ اور خدا اس سے بولتا ہے۔ قرآن پر چلنے سے انسان اور خدا میں مکالمہ کا سلسلہ جاری ہوجاتا ہے۔ اس کا نام جزوی۔ ظلی۔ بروزی نبوت ہے۔ اور

یہی وہ نبوت ہے۔ جو قیامت تک نسل انسان میں جاری رہے گی۔ جیسے کہ محی الدین ابن عربی نے بھی فرمایا ہے۔ فَالنُّبُوَّةُ سَارِيَةٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فِي الْخَلْقِ وَإِنْ كَانَ التَّشْرِيعُ قَدِ انْقَطَعَ ترجمہ۔ مخلوقِ الٰہی میں نبوت یعنی (مکالمۂ الٰہیہ) قیامت تک رہے گا۔ ہاں تشریع ختم ہو چکا اور بات بھی صحیح ہے۔ تمام ہدایتوں اور تمام پرہیزگاریوں اور تقوٰے کا کوئی نصب العین ہونا چاہیئے۔ دنیا میں کونسا مذہب اور مذہب چھوڑ کونسی انسانی انسٹیٹوشن ہے۔ جس کی غرض و غایت اخلاق فاضلہ نہ ہو۔ عمدہ زندگی حسن معاشرت رفعت اخلاق۔ کون ہے جو ان کا مدعی نہیں۔ اور کونسی جگہ جہاں یہ موجود نہیں۔ یہ امور تو جائداد مشترکہ ہیں۔ صرف ایک خدا کا کلام ہی ہے۔ جس سے تخم روحانیت جو انسانی فطرت میں ودیعت شدہ ہے مثمر ہوتا ہے۔ اسی سے شرف انسانیت ہے۔ یہی روح کی غذا اور اسی مکالمہ الٰہیہ سے انسان لازوال نعمت پاتا ہے۔ اور أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی جماعت میں شامل ہو جاتا ہے۔ ہاں یہ امتیاز شریعت محمدی کو ہی حاصل ہے۔ اسی پر چل کر انسان ان افضال الٰہی کا مورد ہو جاتا ہے۔ اور یہ دروازہ آج اسلام میں ہی کھلا ہے۔ دوسرے مذاہب اس سے کس قدر دور اور بے بہرہ ہو گئے ہیں کہ ان کے ہاں یہ امر ناممکن سمجھا جاتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ نعمت آج قریباً ڈیڑھ ہزار برس سے خدا تعالےٰ نے کل دنیا کی قوموں سے چھین لی۔ اور ایک نئی قوم کے حوالے تیرہ سو۱۳ برس سے کر دی۔ جیسے کہ جناب مسیحؑ نے باغ والی تمثیل میں اس حقیقت کو ظاہر کیا۔ دوسرے مذاہب و ملل میں یہ بات اس قدر معدوم ہو گئی کہ آج اس بات سے ہی انکار ہو گیا۔ کہ خدا کبھی اور کسی وقت بھی انسان سے بولا۔

اس بداعتقادی نے خصوصاً ہمارے زمانہ میں اپنے انتہائی مقام تک پہنچ کر خود اہلکتاب سے حقیقت نزول وحی سے انکار کرا دیا۔ کل دُنیا اس وقت جس میں ایک کثیر حصّہ مسلمانوں کا بھی شامل ہے۔ الہام الٰہی سے حقیقی یا مجازی طور پر منکر ہو چکا ہے۔ دہریّت اور مادیّت کے پرستاروں کو ایک طرف چھوڑ دو۔ ہر ایک کتاب الٰہی کے حامل اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ جو کتاب ان کے ہاتھ میں ہے۔ وہ خدا تعالےٰ کے مُنہ کے بولے ہوئے لفظ ہیں۔ عیسائیوں سے جاکر دریافت

کر لو۔ وہ آج سے پچاس برس پہلے کی بائبل کے لفظ لفظ اور فقرہ فقرہ کو ان کی موجودہ شکل وصورت میں خدا کی طرف سے مانتے تھے۔ یہی اعتقاد یہودیوں کا توریت پر تھا۔ لیکن آج یہ عقیدہ ہو رہا ہے کہ ان کتب مقدسہ کے ملہمین پر ان کے الفاظ میں ہی بلکہ ان کے مطالبات القاء ہوئے جنہیں انبیاء کرام نے اپنے الفاظ میں ظاہر کیا۔ خود مسلمانوں میں مادیت کے زیر اثر لوگ الفاظ قرآن کو خدا کی طرف منسوب نہیں کرتے یعنے مغربی تعلیم کے غلام قرآن کریم کو وحیٔ متلؤ نہیں مانتے اسے وحیٔ خفی قرار دیتے ہیں۔ آخر سرسید علیہ الرحمۃ کے اس شعر کا بھی تو یہی مطلب ہے۔ جبریل امیں قرآں بہ پیغامے نمی خواہم

ہمہ گفتار محبوب ست قرآں کہ من دارم

کتب الٰہیہ کے حلقہ پرستاران سے باہر ایک کثیر تعداد دنیا میں ان لوگوں کی ہے۔ جو مطلقاً اس بات کے قائل ہی نہیں کہ کبھی کوئی کتاب خدا کی طرف سے آئی ہندوستان میں انہیں برمھو اور مغربی دنیا میں کانی سسٹ کہتے ہیں۔ یہ لوگ یوں تو تمام انبیاء علیہم السلام کو عزت سے یاد کرتے اور ان کی زندگی کو اپنے لئے اسوۂ حسنہ سمجھتے ہیں۔ لیکن ان کے دلوں میں جو چھپی ہوئی بات ہے وہ یہی ہے کہ ان انبیاء علیہم السلام نے جو اپنے اپنے وقت میں مدعی مورد نبوت ہوئے محض مصلحتاً ایسا کیا نہ کبھی کسی سے خدا بولا نہ کسی نے خدا کی آواز سنی۔ چونکہ عامۃ الناس پر اثر ڈالنا مقصود تھا۔ اس لئے ان بانیان مذاہب نے ان ہدایتوں کو جو ان کے نور قلب نے دیکھیں۔ خدا کی طرف منسوب کر دیا۔ و الا خدا ان باتوں کا سر چشمہ نہ تھا۔ کوئی ان نادانوں سے پوچھے کہ تم جن کو اپنے لئے اسوۂ حسنہ بنا رہے ہو خصوصاً مسیح علیہ السلام۔ اگر ان سب نے محض حکمت عملی سے اپنے الفاظ کو خدا کا الہام ظاہر کیا تو پھر ان میں اخلاق فاضلہ کہاں۔ یہ تو گندے سے گندے اخلاق یعنے کذب و افترا کے مرتکب ہو گئے۔

حقیقت الامر یہ ہے کہ جب ایک بات کا کسی طبقۂ انسانی میں وجود نہیں رہتا۔ اور اس کا ذکر صرف ان کی تاریخوں اور داستانوں میں رہ جاتا ہے۔ تو پھر وہ بات آہستہ آہستہ فسانہ اور حکایت غیر بن کر ایسے لوگ پیدا کر دیتی ہے۔ جو اس کے وجود تک سے بھی منکر ہو جاتے ہیں۔ یہی حالت الہام الٰہی کی ہو رہی ہے۔ آج اسلامی دنیا سے باہر کسی مذہب و ملت میں کوئی مدعی الہام نبوت نظر نہیں آتا مدت سے سب جگہ یہ دروازہ بند ہو چکا کوئی یہ کہتا ہوا نظر نہیں آتا کہ اس نے کبھی خدا کی آواز سنی یا

خدا اس سے بولا۔ پھر یہ کیسے تعجب ناک امر تھا کہ خدا پرست گروہوں میں سے بھی الہام الٰہی کا انکار ایک نہ ایک رنگ میں ہو جاتا۔ بعض مذہبوں کی طرح اس کے وجود سے بھی انکار کر دیتے بعض تحویلات میں پڑ جاتے خدا اور اس کے ملہم میں تار برقی کی طرح تو کوئی تار لگی نہیں ہوتی کہ جسے دیکھ کر مکالمہ الٰہی پر کسی کو یقین آجائے۔ اس میں شک نہیں کہ آج بے تار کے پیغام برقی بھی آتے جاتے ہیں۔ لیکن ایسے پیغاموں کے دینے اور پہنچنے کی جگہوں پر جو آلات بنائے جاتے ہیں۔ وہ مشہود و محسوس حالت میں ہوتے ہیں۔ بے تار کے پیغام انسانی تجربہ میں آگئے۔ اور انسان سمجھ سکتا ہے۔ کہ غیر مرئی طریق پر خدا کی طرف سے خبر کا آنا ممکن ہے۔ لیکن جس مشین کے ذریعہ انسان نے اس غیر مرئی پیغام یعنی الہام کو حاصل کرنا ہے۔ وہ محسوسات میں نہیں۔ وہ کسی انسان کا قلبِ سلیم ہوتا ہے۔ جو گناہوں سے دور اور احساس غیری کے احاطہ سے باہر ہے۔ اب کوئی اس کے وجود پر ایمان لائے تو کس طرح لائے۔ جب تک انسان قدامت پسند رہا۔ تاریخ مقدسہ کے تذکروں کو صحیح مانتا رہا۔ آج ثبوت کا زمانہ آگیا۔ مادیت نے ان تمام چیزوں کے وجود سے انکار کر دیا۔ جن کی ہستی یا جن کی ہستی کے تاثرات نتائج محسوس و مرئی نہ ہو سکتے تھے۔ لہٰذا مقدس تاریخیں انسان کی نگاہ میں قصہ کہانی بن گئیں۔ حکایتِ الہام و نبوت داستان جنّ و پری ہو گئی۔ چاروں طرف سے مطالبہ یہ ہوا کہ خدا اگر پہلے بولتا تھا۔ تو آج کیوں خاموش ہے۔ اگر اس کی صفات میں بولنا بھی ہے تو پھر یہ تعطل کیا معنے رکھتا ہے۔ خدا کے بولنے کا ثبوت اسی میں ہے۔ کہ وہ ہر زمانہ میں کسی نہ کسی سے بولے۔ اور ہر ایک انسان کے سامنے وہ راہ کھلا ہو۔ جس پر چل کر وہ خدا کے کلام سے مشرف ہو سکے۔ صرف یہی ایک راہ ہے جس سے دنیا میں الہام پر ایمان قائم رہ سکتا ہے۔ ہم کیوں کسی کتابِ مقدسہ کو خدا کے بولے ہوئے الفاظ مانیں۔ اگر ہم خدا کے بولنے کو ہی تسلیم نہیں کرتے۔ دوسرے مذاہب نے اس مصیبت کو دیکھ کر آخر کار یا تو کتب مقدسہ کے منجانب اللہ ہونے سے انکار کر دیا۔ یا ان کو اس انسان کے منہ بولے الفاظ سمجھے جس کے قلب پر سر سند منشاء الٰہیہ القا ہو یا جس کے نور قلب نے خود بخود منشاء الٰہیہ کو پڑھ لیا۔ جیسے برمھو خیال کرتے ہیں۔ اگر ہمارے زمانہ سے پہلے مسلمان اس مصیبت سے بچے تو اس لئے کہ امتِ مرحومہ میں وقتاً فوقتاً خدا کے ولی اور اس سے ہمکلام ہونے والے پیدا ہوتے رہے۔ اور اہلِ فیض صحبت سے نے والوں کو اس

حقیقت کے سمجھنے کے قابل کر گئے۔ جنہوں نے اپنے ذاتی تجربہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس وعدہ کو سچا پایا۔ کہ آپ کا ایک امتی کامل اتباع سے صاحب مبشرات ہو سکتا ہے۔

اس تجربہ کے دہرائے جانے کی اگر کسی زمانہ میں اشد سے اشد ضرورت تھی تو وہ ہمارا زمانہ تھا۔ تاریخ عالم میں ایک بھی وقت ہمیں نظر نہیں آتا۔ کہ جب اس طرح کھلم کھلا خدا کی ہستی سے انکار کیا گیا ہو۔ جو لوگ خدا کو مانتے بھی ہیں۔ وہ اس کو اس کی ان صفات سے معطل سمجھتے ہیں۔ جو اس کی شان کے شایاں ہوں۔ اُسے یا تو سرچشمۂ ہدایت مانا ہی نہ جاتا۔ اور اگر سب ہدایت اسی کی طرف سے بھی جاتی ہے۔ تو پھر اُسے ہدایت کا بھیجنے والا نہیں سمجھا جاتا۔ یہ ذمہ انسان کا ہے کہ وہ اس ہدایت کو پڑھ لے۔ آج آریوں کا وید پر عیسائیوں کا انجیل پر۔ یہودیوں کا توریت پر۔ الغرض ہر ایک اہل کتاب اپنی کتاب مقدسہ پر ایمان نہیں رکھتا کہ ان کتابوں کے الفاظ خدا کے الفاظ ہیں۔ یہی حال مسلمانوں کے نو تعلیمیافتہ طبقہ کا ہے۔ اس نیم دہریت کی مثال قرونِ اولا میں نظر نہیں آتی۔ جب یہ صورت ہو تو کس کا مذہب اور کس کی ہدایت ہم کسی کتاب کو یا کسی ہدایت کو تو اس وقت خدا کی طرف سے مانیں۔ جب خدا کے بولنے پر ہمارا ایمان ہو جب وہ انسان کو مخاطب نہیں کرتا تو پھر کہاں کی کتاب اور کس کی ہدایت۔

یہ وہ زمانہ ہے جس میں ہم آج کھڑے ہیں۔ آج کا علم کلام وہ علم کلام نہیں ہو سکتا۔ جو قرون اولے میں مقبول و محبوب تھا۔ مادیت نے نظری بحثوں کی حقیقت کو خاک میں ملا دیا۔ کوئی نظریہ آج قابل تسلیم نہیں گنا جاتا۔ جب تک اس کی پشت بندی کسی مشہود و محسوس امر سے نہ ہو سکے۔ مادیت کے پرستار کسی کتاب کے منجانب اللہ ہونے سے پہلے خدا کو بولتا ہوا۔ دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ نبوّت پر اس کے معروف اور حقیقی معنوں میں جس سے مراد خدا کی طرف سے کسی کتاب کا آنا ہے۔ ایمان لانے سے پہلے نبوّت پر اس کے لغوی معنوں میں یعنی یہ کہ خدا انسان سے بولا کرتا ہے۔ ایمان چاہتے ہیں۔ یہ وہ مطالبہ ہے۔ جس کے پورا نہ ہونے پر دہریہ اور مادئیں پیدا ہوئے۔ اسی سے ایک حرف برمھو اور دوسری طرف سر سید یا دوسرے اہل کتاب میں ان کے ہمخیال پیدا ہوئے۔ خدا کا بولنا ایک فسانہ اور کہانی ہو گئی۔ اس پر ایمان کا قیام اسی پر رہ سکتا تھا۔ کہ کوئی خدا سے بولنے والا خدا سے خبر پانیوالا یعنی لغوی معنوں میں نبی پیدا ہو۔ مولانا روم بھی ایسے انسان کی طرف اشارہ کرتے ہیں جہاں وہ کہتے ہیں۔

اُو نبی وقت باشد اے مُرید
تا از نورِ نبی آید پدید

اگر مجدد والی حدیث صحیح ہے۔ اور مُجدّد کی بعثت کا بڑا مقصد یہ ہے کہ وہ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ کے ماتحت قرآن اور اسلام کی حفاظت کرے۔ اسے ان حملوں سے بچائے جو اس کے زمانہ میں اندرونی بیرونی مخالفوں سے اسلام پر ہوں۔ تو پھر میری نگاہ میں وہ حملہ جو مشترک طور پر اندر سے بھی اور باہر سے بھی ہوا ہے۔ یعنی وہ حملہ جو تعلیم قرآن پر مسلم و غیر مسلم دونوں کیمپوں سے ہوا ہے وہ یہی ہے کہ خدا کبھی نہیں بولتا۔ یعنی نبوت کا وجود ہی نہیں۔ وحی الٰہی ہوتی نہیں۔ الہام الٰہی ایک امر موہوم ہے۔ یہ وہ بداعتقادی ہے۔ جو سخت سیلاب کی طرح اُٹھی۔ اور گذشتہ پچاس ساٹھ سال سے اسلام کو اس کی بیخ و بن سے ہلانے لگی۔ اب اگر کوئی محافظ قرآن پیدا ہونا ہے۔ یا کسی اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ کے مصداق کو خدا نے مبعوث کرنا یا باصطلاح شرع اس صدی کا کوئی مُجدّد پیدا ہونا ہے۔ تو پھر وہ وہ انسان ہو جو کثرت مخاطبات الٰہیہ سے مشرف ہو۔ جس کے ساتھ رات دن خدا بولے یعنی وہ لغوی معنی میں نبی ہو جو دنیا کو پکار پکار کر کہے کہ اگر تم خدا کے بولنے کے منکر ہو تو میرے پاس آؤ۔

خدا مجھ سے بولتا ہے

مجھ سے خدا کے بولنے کا ثبوت لو مجھے خدا نے فلاں فلاں خبر کسی آیندہ واقعہ کے متعلق دی ہے۔ وہ خبر کسی قیاس یا اٹکل بازی کے تحت میں نہیں آسکتی۔ یہ پیشگوئی ہے۔ جس کی خبر خدا نے مجھے دی ہے جس کے پورا ہونے پر یہ ثابت ہو جائے گا۔ کہ خدا بولا کرتا ہے۔ اور خدا کی طرف سے نبوت جاری ہے۔ اور یہ انعام کچھ میری ذات سے ہی وابستہ نہیں میں نے اور مجھ سے پہلے بہت سے لوگوں نے اتباع قرآن و رسول سے یہ عزت مکالمہ حاصل کی ہے۔ میرے پاس آؤ میں تمہیں قرآن میں سے وہ راہیں دکھلاؤں جن پر عمل کر تم خدا سے خود بولنے کے قابل ہو جاؤ گے۔ اور اس طرح جزوی نبوت کا ایک حد تک ثبوت اپنے میں پا کر نبوت کلّہ پر ایمان لاؤ گے۔

میں پھر کہتا ہوں کہ اوراق تاریخ زمانہ کو پلٹو اور بار بار پلٹو تم ہمارے زمانہ کی نظیر نہ پاؤ گے۔ کہ جس میں اس طرح پر خدا کے بولنے سے انکار کیا گیا ہو۔ اہل کتاب ہو کر مطالبۂ الٰہیہ سے اگر کبھی کسی نے انکار کیا تو یہ ہمارا ہی زمانہ ہے۔ جو اپنے فتن اور فساد میں ازمنۂ سابقہ سے بڑھ گیا۔ اور ان تمام فسادات کی جڑھ صرف یہ بدعقیدگی ہے۔ کہ خدا انسان سے نہیں بولا کرتا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا قساوت قلبی کا وقت ہو گا۔ کہ انسان بد مسووں کے لباس میں صلحائے زمانہ کو قابلِ عزت بھی سمجھے۔ ان کے نمونہ پر قدم زن بھی ہو۔ ان کے گیت بھی گائے۔ اور پھر انہیں چال باز اور مفتری بھی سمجھے۔ یعنی ان کے وصایا خدا کی طرف سے تو نہ تھے۔ ان کے اپنے قلب کے تجویز کردہ تھے۔ لیکن انہوں نے نیک نیتی سے بطور حکمت عملی دنیا پر یہ ظاہر کر دیا۔ کہ خدا نے ان کو یہ وصایا بھیجی ہیں۔ العجب! ثم العجب!! لعنت اس حکمت عملی اور پھر لعنت اس نیک نیتی پر۔ ہماری اصطلاح میں اس حکمت کا نام افترا اور کذب ہے۔

الغرض یہ وہ زمانہ ہے۔ جو اپنے فتن میں پہلے زمانوں سے بڑھ گیا۔ اور اس کا علاج صرف یہی تھا کہ کوئی خادم مُحمّدؐ کوئی ادنےٰ **غلامِ احمد مُجَدِّدُ** کے رنگ میں پیدا ہو۔ وہ لغوی معنوں میں نبوّت کا مدّعی ہو۔ اگر یہ زمانہ **مخبرِ صادق** کی کشفی نگاہ نے دیکھا اور اس کا علاج بھی کثرت مخاطبات الٰہیہ میں پایا تو اگر وہ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَؐ اس آنے والے مصلح کا نام اعزازی طور پر نبی رکھ دے۔ اور پھر اس غلطی سے لوگوں کو بچانے کے لئے کہ کہیں وہ حقیقی نبی نہ مانا جائے اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ کہہ کر یہ سمجھا دے کہ وہ تم میں سے یعنی اُمّتیوں میں سے ہو گا کیونکہ ایک حقیقی نبی کسی کا مطیع یعنی امتی یا پیرو نہیں ہو سکتا قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ (۴ : ۶۴) یعنی نبی کسی کی اطاعت کرنے نہیں آتے۔ وہ امتی نہیں بلکہ مطاع ہوتے ہیں۔ ہاں امتیوں میں سے جو صاحبِ مبشّرات ہوتا ہے۔ وہ خدا سے تو بولتا ہے۔ اور خدا اس سے بولتا ہے۔ یعنی وہ لغوی معنوں میں نبی ہوتا ہے۔ لیکن وہ امتی ہے اس لئے وہ حقیقی نبی نہیں۔ اس کی نبوّت جزوی۔ بُروزی۔ ظلّی۔ اور ناقص ہے۔ اس میں ایک حصّہ نبوّت کا ہے۔

ہمارا زمانہ وہ زمانہ ہے۔ کہ جس میں کسی مجدّد یا خادم اسلام کا روئے سخن اسلامی و غیر اسلامی

سب کی طرف ہونا چاہیئے۔ اور پھر تنازع بھی وجود نبوّت پر ہے۔ اور سب سے بڑھ کر مصیبت یہ ہے کہ جہاں ہم مسلمان ختم نبوّت پر ایمان لانے کی وجہ سے اپنی بول چال میں تمیز قائم رکھنے کے لئے الہام نبُوّت اور الہام و لایت کے الفاظ بول دیتے ہیں اسی طرح کرامت اور معجزہ کے دو الفاظ ولی اور نبی کے خوارق میں فرق کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ دوسری طرف غیر اسلامی دُنیا اس تمیز اور فرق سے بالکل ناواقف ہے۔ ان کے نزدیک خدا سے بولنے کا نام نبوّت۔ پیغمبری۔ رسالت پرافت ہڈ وغیرہ وغیرہ ہے۔ اس لئے ایسے منکرین نبوّت کے لئے ایک انسان مجبور ہو جاتا ہے۔ کہ وہ مخاطب کی اصطلاح میں بات چیت کرے۔ اگر مخاطب خدا کے بولنے یعنی نبوّت سے منکر ہے۔ تو اسکے بطلان میں وہ اپنا صاحب نبوّت ہونا پیش کرے۔ اور نبوّت کے معنے وہ لے جو مابہ النزاع ہوں۔ یعنے خدا سے ہم کلام ہونا۔ ہاں اگر وہ نبوّت کاملہ کے ختم ہونے پر ایمان رکھتا ہے تو غلط فہمی سے لوگوں کو بچانے کے لئے اپنی تصنیف میں کھول کھول کر بتا دے کہ جہاں کہیں اس نے اپنے متعلق نبی یا نبوّت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس سے مُراد صرف خدا سے ہمکلامی ہے۔ جیسے کہ حضرت محی الدین ابن عربی نے کہا وہ خود مکالمہ الٰہیہ سے مشرف تھے اور جزوی طور پر نبی تھے۔ اسی لئے انہوں نے کہا۔ کہ نبوّت یعنی ہمکلامی خدا تو قیامت تک انسان میں جاری رہے گی۔ لیکن کامل نبوّت یعنی تشریعی قطع ہو چکی۔ الغرض اس قسم کی نبوت اصلی نبوّت نہیں۔ یہ ایک قسم کا اعزاز اور خطاب ہے **خان بہادر راے بہادر** ایک قسم کے اعزازی خطاب گورنمنٹ سے ہوتے ہیں۔ اور ضروری نہیں کہ ان خطابوں کے پانے والے بہادر ہی ہوں۔ حضرت مرزا صاحب کا ایک الہام لَكَ خِطَابُ الْعِزَّةِ اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یعنی ان کو جو الہاموں میں نبی یا رسول کہا گیا۔ تو نہ وہ حقیقی نبی ہیں۔ نہ رسول بلکہ یہ انہیں ایک عزّت کا خطاب اور لقب ملا۔ اس حقیقت کو حضرت سید عبد القادر گیلانی نے نہایت خوبصورتی سے دو لفظوں میں ادا کر دیا ہے۔ اُوتِیَ الْاَنْبِیَاءُ اِسْمَ النُّبُوَّةِ وَاُوْتِیْنَا اللَّقَبَ (جلد ۲ صفحہ ۳۹ کتاب الیواقیت والجواہر) یعنی انبیاء کو بطور اسم اور ہمکو بطور لقب یہ نام ملا ہے۔

اگر ہم چند منٹ کے لئے حضرت مرزا صاحب سے ان کے حالات اور ان کے دعاوی سے

خالی الذہن ہو کر حدیث مجدد پر غور کریں۔ اور گزشتہ مجددین کے حالات پڑھیں اور یہ بات انکی تاریخ میں محسوس کریں کہ جو مجدد وقت آیا وہ بالخصوص اس مرض کا علاج لایا جو نمایاں طور پر اس زمانہ میں پیدا ہو چکی تھی۔ تو پھر چودھویں صدی میں جو نمایاں ہے۔ وہ نبوت کا انکار ہے۔ جو بھی مجدد آتا وہ وہی کرتا جو حضرت مرزا صاحب نے کیا۔ خدا سے بولنے کا مدعی ہوتا۔ مکالمات الٰہیہ کا دروازہ سب پر کھولتا۔ اور بشرط اتباع رسول اس فیض کے عام ہونے کا اعلان کرتا۔ اپنے دعوے کے ثبوت میں کثرت سے پیشینگوئیاں یا باصطلاح بائبل نبوتیں کرتا۔ اور اس خیال سے کہ کہیں اس کا دعویٰ دعویٰ نبوت سے مخلوط نہ ہو جائے اپنی ہر ایک تصنیف پڑھنے والے کو متنبہ کر دیتا ہے کہ :۔

من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب

جیسے کہ حضرت مرزا صاحب نے کر دیا۔ اس امر سے غلطی میں نہ پڑنا چاہیئے۔ کہ آج ان کی جماعت میں ایک گروہ نے غلو کرتے کرتے انہیں نبی بنا دیا۔ عیسائیوں نے ان لوگوں سے پہلے اسی طرح کی ٹھوکر کھائی یہودیوں میں خدا کا نقشہ نہایت ہی ظالمانہ نقشہ تھا۔ اسرائیلی خدا مخلوق کے حق میں ایک ظالم طبع اور محبت سے خالی خدا تھا۔ اس بدعقیدہ کے دفعیہ کے لئے مسیح نے خدا کو اپنا اور دوسروں کا باپ کہہ کر پکارا اپنے آپ کو ابن اللہ کہا۔ جب خدا کی طرف اشارہ کیا۔ کہ میرا باپ کہتا ہے تو مطلب اس استعارہ کا صرف یہ تھا۔ کہ خدا کی محبت انسان کے ساتھ باپ کی محبت ہے۔ غلو نے استعارہ کو حقیقت کر دیا۔ اگر مسیح جو مدعی **ابنیت** مجازی تھا غلو کے ہاتھوں حقیقی ابنیت کا لباس پہن لے تو پھر اس زمانہ میں اس کا مثیل جو ایک ضرورت کے لئے مدعی نبوت مجازی ہوا۔ وہ قادیان جدید کے ہاتھ سے اپنے مرنے کے بعد جامہ نبوت میں پیش ہو تو کوئی عجب بات نہیں۔

حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ مماثلت مسیح کو کوئی شخص مانے یا نہ مانے لیکن تاریخ نے بعض باتیں دہرا کر امور متدعویہ کے بعض امور میں حقیقت کر دیا ہے۔ خصوصاً ان ہر دو بزرگوں کے متعلق جو راہیں ان پر افترا باندھنے والوں نے یعنے ایک کو خدا دوسرے کو نبی بنانے والوں نے اختیار کیں۔ وہ بالکل ایک ہی ہیں۔ وہاں بھی دو گروہ تھے۔ ایک پطرس یعقوب وغیرہ کا اور دوسرا پالوس۔ پطرس کا گروہ بھی مدت العمر دوسروں کو یہی سمجھتا رہا۔ کہ آج جو تم تعلیم کر رہے ہو۔ یہ تو مسیح نے

کبھی نہیں کی۔ جناب مسیحؑ آخری وقت تک شریعت پر عامل رہے۔ اور لوگوں کو شریعت پر چلنے کا وعظ کرتے رہے۔ جب پالوس نے شریعت کو لعنت ٹھیرا کر اس کے طوق کو گردن سے اتارا تو اس کے اس فعل کو خلاف فعل مسیح دکھلائے جانے پر جواب یہی ملتا ہے کہ جو کچھ مسیح نے کیا وہ اس وقت کیا جب اس پر یہ انکشاف نہ ہوا تھا کہ وہ خدا ہے۔ مسیح اپنے وقت میں اپنی ذات کو آنے والے النبی اور روح حق سے جدا سمجھتا رہا۔ لیکن بعد میں ان دونوں کا مصداق پالوس کے متبعین نے ابن مریم کو ہی ٹھہرایا۔ آج بھی وہی ہو رہا ہے کہ ساری عمر حضرت مرزا صاحب آیت اِسْمُہٗ اَحْمَدُ سے مُراد حضرت مُحَمَّد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سمجھتے رہے۔ لیکن یہ لوگ گذشتہ چھ سال سے اس بشارت مسیحی سے مراد حضرت مرزا صاحب کی ذات لے رہے ہیں۔ انہیں بار بار کہا جاتا ہے کہ خود حضرت مرزا صاحب تمہارے اقوال کے الٹ فرماتے ہیں۔ اور دعوی نبوت سے انکاری ہیں۔ جواب یہ ملتا ہے کہ خود حضرت مرزا صاحب پر یہ امر منکشف نہ ہوا۔ وہ خود بھی اپنی حقیقت کو آپ نہ سمجھتے تھے۔ جس طرح ایک شخص کو خدا بنانے کے لئے متقدمین نے خدا کے اور مقدسوں کو کمالات انسانی سے بے بہرہ قرار دیا یعنے ان کے نزدیک مسیح کا کمال چاہتا ہے کہ دوسرے ناقص ٹھہریں۔ اسی طرح ایک شخص کو نبی بنانے کے شوق نے ان لوگوں کو مجبور کیا کہ اس کمال انسانی یعنی نبوت بروزی جس کے حضرت مرزا صاحب مدعی تھے۔ اور جو اُمّت محمّدیہ میں جاری ہے۔ دوسروں کو محروم کیا جائے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ

مسیحؑ پر بھی علماء زمانہ نے اسی لئے کفر کا فتوے لگایا۔ کہ وہ ابن اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس کا جواب بھی فریسیوں کے مقابل یہی تھا۔ کہ میں حقیقی ابن اللہ نہیں۔ یہ ایک مجاز ہے۔ اور میں جن معنوں میں ابن اللہ ہوں۔ ان معنوں میں تمہارے بزرگ خود الوہیم یعنے الٰہ کہلائے۔ اسی طرح مدعیٔ مماثلت مسیحؑ نے اپنے مکفّرین کو بھی کہا کہ میرا کوئی ایسا دعویٰ نہیں میں مجازی نبی ہوں۔ اور دعویٰ میں خود تمہارے بزرگ میرے ساتھ شریک ہیں۔ انہوں نے بھی میری طرح مجازی نبوّت کا دعویٰ کیا۔ نہ فریسیوں نے مسیحؑ کی سنی۔ نہ مولویوں نے مرزا کی سنی۔ اول الذکر نے یہ کہا۔ کہ یہ اس کی چال ہے۔ اصلی دعویٰ اس کا وہی ہے۔ جو ہم سمجھتے ہیں۔ اور ایک دن اس کے پیرو اسے ایسا سمجھیں گے

یہی الفاظ اس زمانے کے علماء نے دہرائے۔ مسیح کو اصلی دار پر کھینچا گیا۔ یہاں اس کے لئے مجازی دار یعنی دارِ ملامت تیار ہوا۔

عیسائی دنیا میں غلو کا بانی جو شخص تھا۔ جب اس کے غلو اور بدعات پر ان حواریین نے جو مسیح کے ہم جلیس تھے۔ مخالفت کی اور بذریعہ خط جواب طلب کیا۔ تو اس نے اپنی بدعت کا اعتراف کر کے بجواب یہ لکھا کہ مصلحت سے میں نے ایسا کیا۔ (دیکھو کتاب اعمال) اسی طرح جب موجودہ غلو کے بانی میاں محمود سے جب یہ دریافت ہوا۔ کہ وہ کیوں حضرت مرزا صاحب کو نبی بناتا ہے تو وہ ذیل کے فقرات ایک خط میں ایک شخص محمد عثمان کو لکھتا ہے :۔

"نبوت کے متعلق میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔ کہ سب احمدی حضرت مسیح موعود کو نبی ظلّی ہی مانتے ہیں۔ لیکن چونکہ حضرت کے درجہ کو اس وقت بہت کم گھٹا کر لکھا جاتا ہے۔ اس لئے **مصلحتِ وقت** مجبور کرتا ہے کہ آپ کے اصل درجہ سے جماعت کو آگاہ کیا جائے۔ ورنہ اس طرح لفظ نبی کے استعمال کو میں خود بھی پسند نہیں کرتا۔ اس لئے آپ نبی نہیں بلکہ اس لئے کہ ایسا نہ ہو کچھ مدت بعد لوگ اس سے نبوّت مستقلہ کا مفہوم نکالیں۔ مگر یہ صرف چند روزہ بات ہے۔ اور بطور علاج ہے"

(پیغام صلح ۴۔ اگست ۱۹۱۴ء)

جس طرح پالوس کی مصلحت ایک مستقل لعنت بن گئی۔ اور جو باتیں اس نے یونانیوں کی خاطر اختیار کی تھیں۔ وہ عیسائیوں میں شیر مادر ہو گئیں۔ اسی طرح ہمارے میاں صاحب نے محض لاہوری جماعت کی مخالفت میں جیسا کہ وہ خود اس خط میں تسلیم کرتے ہیں۔ جو بات بطورِ مصلحت اختیار کی وہ چند ماہ کے بعد ان کے نزدیک امر مستقل ہو گئی۔ دراصل جس قدر عجیب و غریب باتیں ان گذشتہ تین چار سال میں قادیان سے نکلیں وہ میاں صاحب کے وہم و گمان میں بھی ۱۹۱۴ء تک نہ تھیں۔ آخر ۱۹۱۵ء میں جب میں نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ حلفاً اس امر کو بیان کریں کہ ان کے سر میں یہ بات کب آئی۔ کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنا عقیدہ بدل لیا۔ تو ان کو اس حلف کی جرأت نہ ہوئی۔ اس مطالبہ پر جماعت کو بیوقوف بنانے کیلئے ایک بےمعنی اور بےمطلب قسم کھالی۔ وہ خوب جانتے ہیں۔ کہ کسقدر مسائل

انہوں نے بنائے ہیں۔ وہ بیت عنکبوت کی طرح اس کے اندر سے آہستہ آہستہ ۱۹۱۴ء کے بعد بیرونی حملوں کے دفعیہ میں نکلے۔ ہاں ایک مسئلہ تکفیر انہوں نے اپنی بیس سال کی عمر میں جذبہ نوجوانی کے جوش میں آکر ایسے وقت لکھا۔ جب انہوں نے اور ان کی خفیہ پارٹی نے ۱۹۰۹ء میں ہی یہ فیصلہ کر دیا کہ وہ آیندہ خلافت کو حاصل کرلیں۔ اور اس امر کا حصول ان کے مشیروں نے اسی میں سوچا کہ جماعت میں دو ٹکڑے ہو جائیں۔ اختلاف عقاید سے ہی یہ اختلاف پیدا ہو سکتا تھا۔ لہٰذا جب ۱۹۱۱ء میں میں نے اپنے لیکچر مسلم یونیورسٹی میں بمقام لاہور یہ اعلان کیا کہ ہر ایک **کلمہ گو اہل قبلہ مسلمان ہے** تو انہوں نے بالمقابل یہ لکھا۔ کہ جو شخص حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کو قبول نہ کرے وہ کافر ہے۔ ان کے اسی رسالہ تکفیر مسلمانان کو حضرت حکیم صاحب مغفور نے جلوا دیا۔ اور یہ فتنہ بظاہر فرد ہو گیا۔ لیکن ان کے متعلقین کی ریشہ دوانیوں نے جن میں سے ایک نے دارالضعفاء کے بہانے لیکن دراصل خلافت محمود کا داغ بیل لگانے کے لئے کل ہندوستان میں سفر کیا۔ اس مسئلہ تکفیر کے ذریعہ چپکے چپکے جماعت کے دو ٹکڑے کئے۔ اس وقت تک نہ میاں صاحب اور نہ کسی اور کے سر میں حضرت مرزا صاحب کی وہ نبوت تھی جو آج ان احباب قادیان کی جزو ایمان ہو گئی ہے۔ یہ سب مسائل تو آہستہ آہستہ بنے اور بنائے گئے۔ ایک آدمی کا جب ایک دفعہ قدم پھسلتا ہے۔ تو اس کا کہیں ٹھکانا نہیں رہتا۔ یہی حال میاں صاحب کا ہوا۔ اس امر کا ثبوت ایک تو اسی خط سے ملتا ہے۔ جو میں نے اوپر درج کیا۔ اور دوسرا ان احباب قادیان کے سرکردوں کی وہ تحریریں ہیں۔ جو ۱۹۱۴ء سے پہلے پہلے شائع ہوئیں۔

> میاں محمود احمد صاحب کے ایک علمبردار مفتی محمد صادق نام جو نہ صرف حضرت مرزا صاحب کی نبوت پر وعظ کے لئے مامور ہے۔ بلکہ اس کے تقاضائے فطرت نے اس بیہ امر میں میاں صاحب کی نبوت کی داغ بیل لگوادی ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اس کے بطلان کے لئے اس کے ہاتھ سے ۱۹۱۰ء میں ذیل کی تحریر شائع کرادی وہ ۱۹۱۰ء میں لکھنؤ گیا۔ جہاں وہ شبلی مرحوم کو ملا۔ واپسی پر اس نے نہایت فخر سے اپنی ملاقات کا حال اخبار بدر مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۳ پر شائع کیا۔ اس میں ذیل کے الفاظ موجود ہیں۔

مولوی شبلی صاحب نے دریافت فرمایا۔ کہ کیا ہم لوگ مرزا صاحب مرحوم کو نبی مانتے ہیں۔ میں نے عرض کی۔ کہ ہمارا عقیدہ دیگر مسلمانوں کی طرح ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّین ہیں۔ آپؐ کے بعد کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں۔ نہ نیا نہ پرانا۔ ہاں مکالمات الہیّہ کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ اور وہ بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طفیل آپ سے فیض حاصل کر کے اس امت میں ایسے آدمی ہوتے رہے۔ جن کو الہام الٰہی سے مشرف کیا گیا۔ اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے چونکہ حضرت مرزا صاحب بھی الہام الٰہی سے مشرف ہوتے رہے۔ اور الہام کے سلسلہ میں آپ کو خدائے تعالٰے سے بہت سی آئندہ کی خبریں بھی بطور پیشگوئی کے بتلائی جاتی تھیں جو پوری ہوتی رہیں۔ اس واسطے مرزا صاحب ایک پیشگوئی کرنے والے تھے۔ اور اس کو عربی لغت میں نبی کہتے ہیں۔ اور احادیث میں بھی آنے والے مسیح موعود کا نام (انہی معنوں میں) نبی رکھا۔ اس پر مولوی شبلی صاحب نے فرمایا۔ کہ بیشک لغوی معنوں کے لحاظ سے یہ ہو سکتا ہے۔ اور عربی لغت میں اس کے یہی معنے ہیں۔ لیکن عوام اس مفہوم کو نہ پانے کے سبب گھبراتے ہیں۔ اور اعتراض کرتے ہیں میں نے عرض کی کہ مرزا صاحب کی نبوّت کا مسئلہ ہمارے ہاں ایسا نہیں کہ شرائط بیعت میں داخل ہو۔ یا بیعت کے وقت اس کا اقرار لیا جاتا ہو۔ یا اس کا ہم وعظ کرتے پھرتے ہوں۔ ہاں جیسا کہ اوپر بیان کیا ہے۔ ایسا ہی ہمارا عقیدہ ہے۔

ایک اور شخص مولوی سرور شاہ صاحب نام جس کا نمبر بھی غلو میں کسی اور سے کم نہیں۔ ذیل کے الفاظ ۱۹۱۱ء میں لکھتا ہے۔

لفظ نبی کے معنے اپنے مصدروں کے لحاظ سے دو ہیں۔ اول اپنے خدا سے اخبار غیب پانے والا دویم عالی رتبہ شخص۔ **جس شخص کو اللہ تعالٰے بکثرت شرف مکالمہ سے ممتاز کرے۔ اور غیب کی خبروں پر مطلع کرے۔ وہ نبی ہے۔** اس رنگ میں میرے نزدیک تمام مجدّدین سابق مختلف مدارج کے انبیاء گذرے ہیں (منقول از اخبار بدر جلد ۱۰ نمبر ۱۱ - ۱۶ فروری ۱۹۱۱ء)

یہ سب مصیبت خلافت کو حاصل کرنے اور حضرت مرزا صاحب کی اس وصیت کے توڑنے کے لئے برپا ہوئی جس کے ماتحت حضرت مرزا صاحب نے گدی پرستی کا خاتمہ کر کے دینی اُمور کی اشاعت کو بھی صحابہؓ کرام کی طرح جمہور کے حوالہ کرنا چاہا۔ جس کے ماتحت حضرت مرزا صاحب کی جانشین ایک انجمن ٹھیرتی تھی۔ جو اشاعت اسلام کرتی۔ یہ وصیت دسمبر ۱۹۰۵ء میں لکھی گئی۔ جس پر آپ نے اپنی زندگی میں عمل کرایا۔ اپنی کُل آمد اس بے نفس انسان نے چودہ آدمیوں کے حوالہ کر دی۔ پھر وہی آمد جو وصیت کے عملاً ٹوٹ جانے پر آج میاں محمود احمد صاحب کے قبضہ میں آگئی۔ گدی پرستی انسان کو اندھا کر دیتی ہے۔ ان پرستار ان سجادہ قادیان میں سے کبھی کوئی نہیں سوچتا۔ کہ اس وصیت کا کیا حشر ہوا۔ جس کے ماتحت صدر انجمن احمدیہ بنی۔ کیوں اور کس لئے اس کی موجودگی میں انجمن ترقی اسلام میاں صاحب نے بنائی۔ آج ان چھ سالوں کی تاریخ نے وجہ بتلا دی۔ صدر انجمن احمدیہ کے قواعد کے ماتحت میاں صاحب کو مجال نہ تھی کہ قوم کے روپیہ کو وہ اپنے موجودہ مصرف میں لاتے۔ وہ انجمن رجسٹری شدہ تھی۔ قانونی مشورہ ایک اور انجمن کا وجود چاہتا تھا۔ جو میاں صاحب کو قیود سے آزاد کر دے۔ اس ضرورت نے انجمن ترقی اسلام قادیان پیدا کر دی۔ جو عملاً صدر انجمن کو کھا گئی۔ انگریزی مدرسہ کے سوا باقی تقریباً کل مدات آمدنی نئی انجمن کی طرف منتقل ہو گئی۔ جس کے خرچ کرنے میں میاں صاحب کو کلی آزادی حاصل ہے۔ بالمقابل صدر انجمن کے قواعد نہیں وظیفہ کے ذاتی خرچ کے سوا (جو شاید سو روپیہ سے کم تھا) ایک پیسہ خرچ کی بھی اجازت نہ دیتے تھے۔ اگر صدر انجمن عملاً رہتی۔ تو آج لاکھ کے قریب جائداد جو ذاتی جائداد کی شکل میں پیدا ہوئی ہے۔ وہ اشاعت اسلام میں جاتی۔

اغراض۔ نفسانیت۔ خواہشات۔ جب تک ان کا وجود دنیا میں ہے۔ انسانوں میں یہ تنازعے چلے ہی جائیں گے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میاں صاحب کے سر میں یہ ساری سکیم تھی۔ لیکن یہ امر صحیح ہے کہ ان کے متعلقین حضرت مرزا صاحب کی وفات پر ہی دو باتوں کے فکر میں لگ گئے۔ ایک یہ کہ آئندہ خلیفہ میاں صاحب ہو۔ دوسرا یہ کہ انجمن کے اقتدار کو عملاً مٹا کر میاں صاحب کو مسلط کر دیا جائے۔ ضرورت وقت نے آہستہ آہستہ نئے حالات اور عقاید پیدا کر دیئے۔ اگر میں نے ضرورت سمجھی یا میاں صاحب نے ان واقعات عریاں پر جرح قدح کرنے کی جرأت کی تو پھر میں بالتفصیل ان تمام معاملات پر روشنی

ڈال دوں گا۔ یہاں مجھے اسی قدر دکھلانا تھا۔ کہ نبوّت مرزا صاحب یا تکفیر کلمہ گویاں یا مرزا صاحب کا مدتوں الہام الٰہی کا نہ سمجھنا یا مرزا صاحب کا اخیر عمر میں آکر اپنا عقیدہ بدل دینا اور معاذ اللہ ان کا نقص فہم اور ان کا نقص فہم چھوڑ خود ان لوگوں کا ایک اور رکفر کرنا یعنے خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر نقص فہم کا بہتان باندھنا اور پھر دو تین سال سے بہائی لٹریچر کی تقلید وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب عقاید جدید جو گذشتہ چھ سال میں تراشے گئے۔ ان سب کی اصل جڑھ کیا ہے۔

میں نے ان اوراق کا ایک اچھا حصّہ احمدی مبحث پر خرچ کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قارئین کتاب پر یہ ظاہر ہو جائے۔ کہ

احمدی جماعت کوئی نیا فرقہ نہیں

ان کے کوئی ایسے معتقدات نہیں جن پر ایمان رکھنے والے سلف اسلام میں موجود نہ ہوں۔ حضرت مرزا صاحب کی ذات کے متعلق جو یہ جماعت مانتی ہے۔ اس میں اور غیر احمدی اصحاب کے مسلمات میں صرف تعین شخصیت کا ہی فرق ہے۔ اور یہ تعین کسی اصول اسلام کو نہیں توڑتی۔ جو امور متفقہ اسلام میں ایمان کے لئے ضروری ہیں۔ اور جن پر قبل از ظہور مرزا صاحب مسلمانوں کے نام نہاد فرقوں کا اعتقاد تھا۔ انہیں اس جماعت نے پیدا ہو کر کوئی کمی یا اضافہ نہیں کیا۔ اور اس ہمارے دعوے کو کہ اسلام میں کوئی فرقہ نہیں۔ احمدی جماعت کے وجود نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہاں یہ امر بالکل صحیح ہے کہ جو تعلیم ان احباب قادیان نے احمدی عقاید میں اضافہ کی ہے۔ وہ فی الواقعہ تیرہ سو برس کے عقاید متفقہ کے خلاف یہ ایک جماعت ہے۔ جس نے **اسلام** میں حقیقتاً ایک **فرقہ** پیدا کیا ہے۔ یہ جماعت ان باتوں کو مانتی ہے۔ جس سے ایک انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ تیرہ سو برس کے بعد آج ایک صاحبزادہ نے وہ تعلیم پھیلائی جسے اس کا مقدس باپ اور ہمارا مرشد ختم نبوّت کی **توہین** قرار دیتا ہے۔ یہ اسلام کی ذلت اسی نوجوان کے ہاتھ سے سب سے اول تاریخ اسلام میں ہوئی۔ بہتر ہوتا کہ یہ شخص **بابی یا بہائیوں** کی طرح ایک نیا مذہب بناتا۔ ہمارے لئے یہ امر بہتر تھا آخر ۱۹۱۵ء اور ۱۹۱۶ء اس کے مشیر اس تلاش میں تو لگے رہے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کو صاحب کتاب

بنائیں۔ کشتی نوح بھی ایک فقرہ وہ صحیفہ بننے کو تھا۔ جس کا ایک نبی کے ساتھ ہونا از روئے تعلیم قرآن ضروری ہے۔ آج یہ لوگ کہیں سے بہائیوں کی کتابیں لے بیٹھے ہیں۔ اور ان میں سے ان چند آیات قرآنی کو نکال کر اپنے مایۂ ناز بنا رہے ہیں۔ جن سے بہائی ختم نبوت کی مہر کو توڑ کر نبوت بہاء اللہ منوانا چاہتے ہیں۔ مثلاً وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (البقرۃ) ۲ : ۴

یہ ایک نہایت ہی خطرناک امر اسلام کے لئے ہے۔ اسلام قائم نہیں رہ سکتا۔ اگر ختم نبوت کی مہر ٹوٹ جائے۔ ایک طرف بہائی لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لاکر اور ضرورتاً قرآن کی تعلیمات کو منجانب اللہ تسلیم کر کے قرآن سے آیات پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دروازہ نبوت کھلا ہے۔ دوسری طرف انہی آیات کو آج یہ لوگ پیش کرتے ہیں۔ اگر دونوں میں یہ فرق ہے کہ بہاء اللہ نے کھلے طور سے نبوت کا دعویٰ کیا۔ جس سے حضرت مرزا صاحب کو انکار ہے۔ تو آج یہ حضرت مرزا صاحب کے ماننے والے کہتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کو خود بر وقت انکار نبوت سمجھ نہیں تھی۔ یہ تمیز بھی حضرت مرزا صاحب اور جناب بہاء اللہ صاحب میں سے اڑ جاتی ہے۔ علماء اسلام کا فرض ہے کہ وہ اس مسئلہ کو صاف کریں کہ کس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہو سکتے ہیں۔ وہ اس امر میں نہ قادیانیوں کو مخاطب کریں نہ کسی اور طرف خیال کریں وہ علےٰ وجہ التجرد اس مسئلہ کو صاف کریں کس قدر بدقسمتی ہے کہ ہمارے بعض علماء اپنے صحائف کی خریداری اور اپنی رونق بازار اسی میں دیکھتے ہیں کہ وہ چند گالیاں دے کر یا پھکڑ بازی کے چند فقرے استعمال کرلیں۔ اگر بالفرض ان کی رائے میں حضرت مرزا صاحب نے دعوی نبوت کیا تھا۔ جس سے وہ ان کا ہدف ملامت ہوا۔ تو آج جب ان کی جماعت کا ایک بہترین حصہ جن کی علمی عملی ذہنی اور سوشل حالت ہر طرح خدا کے فضل سے قابل توجہ تھی۔ ان کی نیات نیک تھیں۔ انہوں نے عملاً اس وعدہ کو پورا کر لیا۔ جو انہوں نے حضرت مرزا صاحب کے ہاتھ پر کیا تھا کہ **میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا**۔ وہ جماعت اپنی دینی خدمات میں اپنے ایثار فی الاسلام میں بہت سے دیگر مسلم طبقات سے بڑھ گئی۔ ان کی تصانیف نے فی زمانہ بہترین خدمت اسلام کی کی۔ جب اس قسم کے بے نفس بے لوث اور دنیا کو لات مارنے والے ہر قسم کے خوف سے آزاد انسان بار بار اعلان کرتے تھے کہ ہم احمدی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد مدعی نبوت کو

کافر و کاذب خیال کرتے ہیں۔ اور حضرت مرزا صاحب نے کبھی دعوی نبوّت نہیں کیا۔ اور جس بات کے وہ مدّعی ہیں۔ اس کی اجازت ہمارے اسلاف میں موجود ہے۔ تو پھر یہ غیر احمدی متکلم اگر اسلام کے سچے خیرخواہ ہوتے تو ایمانداری سے اپنی مشتہرہ تحریروں پر پھر غور کرتے وہ لاھوری اَحْمَدیوں کے ساتھ مل کر اس بات کو قائم کرتے۔ کہ حضرت مرزا صاحب نے فی الواقع نبوّت کا دعوئی نہیں کیا۔ وہ اس کوشش میں لگ جاتے کہ مرزا صاحب کی نبوّت کا عقیدہ دنیا سے مٹ جائے۔ لیکن ان کا چند روز کا فائدہ تو اس میں ہے۔ کہ ان کے کالموں میں حضرت مرزا صاحب پر حملے ہوں اور وہ گندی پیاس اور رذیل اشتہار جو ان کے اخبار و کتابیں پڑھنے والوں میں پیدا ہو چکی ہے۔ یعنی ایک شخص کی ذات پر حملے ہوں۔ اور اس کا مضحکہ اڑایا جائے۔ وہ تو اسی صورت پوری ہو سکتی ہے۔ جو آج انہوں نے اختیار کر رکھی ہے اگر یہ اسلام کے خیرخواہ ہوتے تو ہمارے ساتھ مل کر نبوّت مرزا صاحب کو جو بدقسمتی سے ان گذشتہ چھ سال میں پیدا ہو گئی ہے مٹاتے۔ اور اس کا بہترین طریقہ یہی تھا کہ وہ حضرت مرزا صاحب کی کتابوں سے دکھلاتے کہ ان کا ایسا دعوئی نہیں تھا۔ البتہ ایسا کرنے سے ان کی تصانیف پھیکی پڑ جاتیں۔ جس سے ان کی کساد بازاری ہوتی۔ یہ اپنا نفع اسی میں دیکھتے ہیں۔ کہ مرزا کو نبی بنائیں یعنے یہی ثابت کریں۔ کہ اس کا دعوئی نبوّت کا تھا۔ اب اگر وہ احمدی جنہیں میاں صاحب کی تحریروں نے حضرت مرزا صاحب کے دعوے کے متعلق اس وقت متامل کر دیا ہے۔ وہ ایک دشمن کی شہادت پر نبوّتِ مرزا کو مان لیں تو ان کے ان کفریات کے ذمہ دار یہ لوگ ٹھہریں گے۔

بہر حال اب چونکہ بہائیوں اور قادیانیوں کی طرف سے ایک ہی قسم کی آیات آنحضرت صلعم کے بعد اجرائے نبوّت میں پیش ہوتی ہیں۔ اس لئے ہمیں یہ نہ دیکھنا چاہیئے کہ مرزا صاحب نے کیا لکھا۔ نہ یہ دیکھنا کہ جناب بہاء اللہ کیا فرماتا ہے۔ بلکہ قرآن کو ہاتھ میں لے کر اس مسئلہ کو صاف کرنا ہے کہ آیا نبوّت دنیا میں کوئی آئی۔ اور اگر وہ مقصد قرآن کے ذریعہ پورا ہو گیا تو قرآن کے بعد پھر اور کسی نبوّت کی ضرورت ہی نہیں۔ میں اپنے خیالات ان اوراق میں عرض کر دیتا ہوں۔ اور دیگر علماء کے خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ کہ وہ اس مسئلہ پر حضرت مرزا صاحب کے خیال کو چھوڑ کر روشنی ڈالیں۔
میں یہ اچھی طرح واضح کر چکا ہوں۔ کہ اسلام میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسلام میں مختلف گروہوں

کے امتیازی معتقدات اصول ہائے اسلامی سے تعلق نہیں رکھتے۔ جن امور میں وہ سب کے سب متفق ہیں۔ وہی برُوئے قرآن وحدیث اصول اسلام ہے۔ لہٰذا جو شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے بعد کسی نبوت کا قائل ہوتا ہے۔ وہ اسلامی فرقوں سے باہر ہے۔ وہ بقول حضرت مرزا صاحب خارج از دائرہ اسلام ہے وہ تو ایک نیا مذہب ہے۔ جس کو قرآن سے تعلق نہیں ایسے عقیدہ کا رکھنے والا یہ الفاظ مرزا صاحب ختم نبوت کی توہین کرتا ہے۔ یہ لوگ اور بہائی ایک ہی جماعت ہے۔ لیکن چونکہ ان کے لٹریچر میں بعض آیات قرآنی کا حوالہ ہے۔ جن سے اول بہائیوں نے اجرائے نبوت کا استدلال کیا۔ اور آج یہ اصحابِ قادیان بہائی لٹریچر سے ان آیات کو لے کر اپنا مایہ ناز بنا رہے ہیں۔ اس لئے میں نے پسند کیا۔ کہ اسی کتاب کے خاتمہ پر اس مسئلہ کو بھی صاف کرتے کی رعایت اختصار کوشش کروں۔ ممکن ہے کسی کو فائدہ پہنچے۔

قرآن کریم نے نبوّت کو ہبوط آدم سے وابستہ کیا ہے۔ جناب اوّل البشر ایک ابتدائی بھول کے سبب ایک راحت کی زندگی سے الگ ہوتے ہیں۔ اور ایک ایسے راہ کے آغاز پر کھڑے ہو جاتے ہیں جس کا ہر قدم قسما قسم کی ذمہ داریاں پیدا کر کے انہیں ہر گام پر حزن وخوف کے مقابل لے آتا ہے۔ انہیں اقتضائے رائے تو عطا ہوتی ہے۔ لیکن یہ عطیہ ہی ہر قسم کی مصائب وبلا ان کے لئے پیدا کر دیتا ہے۔ انہیں ہزارہا قسم کی استعدادوں سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ یہ استعدادیں صحیح طور پر نشو ونما پا کر انہیں جنت الماویٰ تک پہنچا سکتی ہیں۔ یہی وہ استعدادیں ہیں جن سے ابن آدم کی دائمی خوشی اور لازوال راحت وابستہ ہے۔ لیکن یہی استعدادیں غلط راہ اختیار کرنے پر کچھ ایسا نمو اختیار کر لیتی ہے۔ جن سے انسان کے لئے یہاں بھی اور آئندہ بھی ایک جہنم پیدا ہو سکتا ہے۔ دراصل ہماری کوئی بھی استعداد ایسی نہیں جس سے غلط راہ کا اُٹھان دوزخ نہ بنا دے۔ قوتوں کے اس غلط نمو سے روکنے کے لئے انسان محتاج ہدایت ہے جس کے لئے بعد میں نبوّت آئی۔ یہی وہ شجر ہے جس کے قریب جانے سے انسان روکا گیا۔ انسان کے علاوہ باقی کل مخلوقات شجر۔ حجر اور ایسا ہی غیر ذی عقل حیوان اضطراراً ایسی راہوں پر چلتے ہیں۔ جن سے ان کی استعدادیں مثمر ہو جاتی ہیں۔ انسان بھی اگر اس اضطراری حالت میں رہتا تو وہ جنّت عدن میں ہمیشہ رہتا۔ لیکن اور حیوانوں کے برعکس حضرت انسان قوّتِ ادراک اختیار سے آراستہ کیا

گیا ہے۔ اسے نیک و بد کی تمیز دیکر نیک و بد افعال کی طاقت دی۔ ابوالبشر نے اضطرار پر اختیار کو ترجیح دی۔ اور اپنے آپ کو اس سرزمین میں پایا جہاں کا ہر قدم اس کی ابدی راحت یا مصیبت اپنے اندر لئے ہوئے تھا۔ جس رب العلمین نے انسان کو اس قوت و اختیار سے آراستہ کیا اس کے ذمہ انسان کا یہ بھی حق تھا۔ کہ ہر ایک چیز کے اندازہ خیر و شر کو مقرر کر کے اس تعیین و تقدیر سے اور ان حدود سے انسان کو علم دے۔ انسان کے اندر نہ صرف نیک و بد کی تمیز ہی رکھ دے۔ اور یہ بھی اطلاع دے دی۔ کہ تمہاری فلاں استعداد اور ایسا ہی دنیا کی ہر ایک چیز کے فلاں استعمال کا نام خیر اور فلاں طریق استعمال کا نام شر ہوتا ہے۔

انسان کے اس حق کو جو اس کے رب العلمین پر قرآن نے تسلیم کیا۔ فرمایا۔ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰهَا[1] پھر فرمایا۔ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی۔[2] یعنی ایک طرف تو انسان میں نیکی اور بدی کی تمیز رکھ دی گئی۔ دوسری طرف ہر ایک پیدا شدہ چیز یا قوت کے متعلق نیک بد کے اندازے مقرر کر کے دنیا کو اس سے اطلاع دے دی۔ اور ابن آدم کو چھوڑ دیا گیا کہ وہ اپنی استعدادوں کو شجر طیب بنا کر جنت عدن میں چلا جائے یا اسے شجرۂ خبیثہ کی شکل دے کر اپنے لئے جہنم خرید لے۔ جنت اور دوزخ کی حقیقت تو ادراک انسانی سے بالاتر ہے۔ لیکن جس پہلو کو میں نے پیش کیا ہے۔ وہ اَحْمَدِیْ نقطۂ خیال سے پیش کیا ہے۔ وحیٔ الٰہی بھی دنیا میں ان ہی مضمرہ قویٰ انسانی کو بار در کرنے کے لئے آئی۔ الہام خداوندی بھی کسی سربستہ شگوفہ انسانیہ کو کھولنے آیا۔ جس پر لفظ فلح شاہد ہے۔ فلح جس کے معنے کامیابی اور ترقی کئے گئے ہیں۔ اپنے لفظی معنوں میں سربستہ چیز کے کھل جانے کا نام ہے۔ یعنی کسی چیز کی چھپی ہوئی استعدادوں کے کامل نشو و نما کو فلح کہتے ہیں۔ زراعت کا نام فلاحت اس لئے رکھا گیا کہ اس سے زمین کی چھپی ہوئی طاقتیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ دراصل کسی چیز کی کامیابی بھی اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ وہ اپنی قوتوں کو حدِ استعداد تک استعمال کر سکے۔ اور اس سے بڑھ کر اور ہو بھی کیا سکتا ہے۔ فی الجملہ بالقویٰ چیزوں کو بالفعل کرنا کامیابی یا فلاح ہے۔ انسان میں بھی بیشمار بالقویٰ استعدادیں ہیں۔ جنہیں بالفعل ہونا ہے۔ چھپی ہوئی چیزوں نے مفلحون یعنی کامل نشو و نما کی حالت تک پہنچنا ہے۔ ہاں انسان اگر محتاج ہے تو ان راہوں سے واقف ہونے کا کہ جن

[1] (الشمس) ۹۱ : ۸ [2] (الاعلیٰ) ۸۷ : ۳

پر چل کر وہ مفلح ہو جائے۔ یہی راستہ ابوالبشر سے چل کر خیرالبشرؐ تک بذریعہ الہام انسان کو پہنچا۔
اور یہی نبوت یعنی انسان کے ساتھ خدا کے بولنے کی غرض تھی۔ چنانچہ اس امر کو کتاب مجید نے شروع میں
ہی بیان کر دیا ہے۔ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ[1]
فرمایا۔ جو لوگ کتابِ الٰہیہ پر ایمان رکھتے ہیں وہی لوگ رب کے اس راستہ پر ہیں۔ جس پر وہ چل کر
فلاح پالیں گے۔ یعنے نبوت کی غرض و غایت ہی انسان کو فلاح کا راستہ دکھلانا ہے۔ یعنی جس سے انسان
کی کل استعدادوں کی آبیاری ہو۔

مذکورہ بالا آیت میں تین لفظ خاص کر قابلِ غور ہیں۔ رب ۔ ھدیٰ اور فلاح یہ
تینوں لفظ نہ صرف ایک دوسرے کے فوائد اور ایک دوسرے کے مفہوم پر روشنی ڈالتے ہیں۔ بلکہ نبوت
کی غرض و غایت بھی بیان کر دیتے ہیں۔ رب کے معنی جہاں خالق اور پالنہار کے ہیں۔ وہاں زبان
عربی میں ربوبیت ان تمام راہوں طریقوں اور سامانوں کے تجویز اور مہیا کرنے کا بھی نام ہے کہ جن
کے ماتحت کوئی چیز مختلف مدارج میں سے گذرتی ہوئی اپنے کمال تک پہنچ جاتی ہے۔ رب نے جہاں ایک
طرف انسان کو پیدا کیا اس میں مختلف استعدادیں ودیعت کی ہیں۔ ویسا ہی اس نے ان راستوں کو
بھی تجویز کرنا ہے۔ کہ جن میں سے گذر کر ان استعدادوں نے کامل طور پر پہنچنا ہے۔ ایسا ہی ان سے
راہوں میں سے گذارنا۔ ان تمام سامانوں کو مہیا کرنا جو ان منازلِ کمال کے طے کرنے کے لئے ضروری ہیں
یہ سب باتیں شانِ ربوبیت میں آجاتی ہیں۔ اور ایسا ہی اس میں قواعد اور قوانین کو بنانا بھی آجاتا ہے۔
جس پر انسان نے یہاں اور آیندہ قدم زن ہونا ہے۔ بالمقابل ھدیٰ کے معنی راہ دکھلانا تو ہیں
لیکن ھدیٰ دراصل اس راہ دکھلانے کا نام ہے کہ جس پر انسان نے ابتدا سے لے کر انتہا تک بغرض
حصولِ کمال چلنا ہے چنانچہ قَالَ رَبُّنَا الَّذِىْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَىْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى[2] میں
لفظ ھدیٰ انہیں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یہ آیت ھدیٰ کو لازمہ ربوبیت ٹھہرا کر ضرورت
الہام کو ثابت کر دیتی ہے۔ یعنی رب وہ ہے جو نہ صرف پیدا کرنے اور پالنے والا اور انتہائی کمال
تک پہنچانے والا ہی ہے۔ بلکہ وہ راہ بھی دکھلانے والا ہے۔ جو انسان کو منزلِ مقصود تک پہنچا دے
اب ان دو لفظوں کے بعد لفظ فلاح اس حقیقت کو اور منکشف کر دیتا ہے۔ یعنی استعدادوں

[1] (البقرہ) ۲ : ۵ [2] (طٰہٰ) ۲۰ : ۵۰

کا کامل نشو و نما پالینا ۔ ایک بیج کا کامل طور پر پھلدار درخت بن جاتا۔ ان تین لفظوں کو قرآن کریم نے آیت مذکورہ بالا میں جمع کر کے نبوت کی غرض و غایت بتلا دی ہے ۔ یعنی انسانی فلاح سے مراد اس کی چھپی ہوئی طاقتوں کا ظہور تام ہے ۔ جس کے لئے ایک ھدی یعنی ان تمام منازل اور ضروریات منازل کے علم کی ضرورت ہے ۔ کہ جن میں سے ہو کر فلاح حاصل ہوتی ہے ۔ اور یہ باتیں اس ذات کی طرف سے بتلائی جانی چاہئیں ۔ جو ہمارا رب یعنی ہماری استعدادوں کو پیدا کرنے والا اور ان کی پرورش اور تکمیل کی راہ تجویز کرنے والا اور بتانے والا ہے ۔ اس طرح قرآن کریم نے ہم پر وحی یا الہام یا نبوت کی غرض و غایت ظاہر کر دی ۔ نبوت کے معنے اگر خدا کا انسان سے بولنا ہے ۔ تو یہ بولنا کسی پیشگوئی کی غرض سے نہیں بلکہ یہ بولنا هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ کو دنیا میں لانے کے لئے ہے ۔ یا عامہ اصطلاح میں کتاب الٰہی کو انسان تک پہنچانے کے لئے ہے ۔ ہاں خدا کا بولنا دنیا میں اس لئے یوم قیامت تک جاری رہنا چاہیئے جیسے کہ ابن عربی نے تسلیم کیا ہے ۔ کہ انسان کتاب اللہ کے منجانب اللہ ہونے سے انکار نہ کر جائے ۔

میں نے ابوالبشر کا ذکر کرتے ہوئے ابھی لکھا ہے ۔ کہ ہبوط آدمؑ ہی باعث نبوت ہوا ۔ جب انسان نے بہ لباس آدمؑ اضطرار پر اختیار کو ترجیح دی تو اس جنت سے نکل گیا ۔ جو اضطراری طریق پر قوائے مخفیہ کو بار کرنے والی مخلوق کے حصے میں آئی ہے ۔ اس قوت اختیار کے ساتھ اسے نیک و بد کی تمیز بھی دی گئی ۔ اس قوت کو غلط طور پر استعمال کرنے سے یعنی ممنوع شجر کے قریب ہونے سے وہ درد و دکھ میں پڑا ۔ اس سے ہبوط آدمؑ ہوا ۔ وہ مبتلائے خوف و حزن ہوا ۔ وہ ایسی ہدایت کا محتاج ہوا جس سے یہ درد اور دکھ اس کی نسل سے ہمیشہ کے لئے دور ہو جائے ۔ وہ رب انسان کے آگے رویا ۔ اور طالب ہدایت ہوا ۔ جس پر اسے یہ خوشخبری دی گئی ۔ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (البقرہ ۲ : ۳۸) یعنی وقتاً فوقتاً میری طرف سے راہ ھدی یعنی وہ طریق انسان تک پہنچتے رہیں گے ۔ کہ جن سے وہ کمال حقیقی تک پہنچ جائیں ۔ اور اس کی سب طاقتیں علیٰ وجہ الکمال کام کرنے لگ جائیں ۔ یہ امر یاد رہے کہ یہاں ضمیر "میری" کا مرجع رب ہے جیسے کہ فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ (۲ : ۳۷) سے ظاہر ہوتا ہے ۔ یعنی راہ ھدیٰ ربوبیت کی شان اپنے اندر رکھتا ہو ۔ یوں تو ربانی انسان جو

کسی کتاب الٰہی مثلاً قرآن کا شارح بن کر یا اس کے غوامض سے لوگوں کو اطلاع دے کر لوگوں کو گمراہی سے بچاتا ہے۔ وہ بھی ہادی ہو سکتا ہے۔ اس کے کلمات بھی ہدایت ہیں۔ لیکن جس ہدایت کا اشارہ اس آیت بالا میں ہے۔ وَهُدًى مِّنْ رَّبِّ النَّاسِ ہے۔ یعنی وہ ہدایت جو قوائے انسانی کی تربیت تادیب۔ تہذیب اور تکمیل کرے۔ اس آیت کے ماتحت آنے والا وہی انسان ہو سکتا ہے۔ جو اس قسم کی نبوت خدا سے پاکر دنیا کے لئے رسول ہدایت ہوتا ہے۔ اس وعدۂ ربی کی طرف جو ربِّ بشر نے ابوالبشر سے کیا قرآن شریف نے سورۂ الاعراف میں آیات ۳۱-۳۶ میں اشارہ فرمایا۔

يٰبَنِىْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِىْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (الاعراف) ۷:۳۵

یعنی ابنِ آدم کو کہا گیا ہے۔ کہ تمہاری طرف وقتاً فوقتاً خدا کے رسول آئیں گے۔ اور کلام الٰہی پہنچائیں گے۔ اس آیت کے مصداق تلاش کرنے کے لئے میں نے اس آیت کی پہلی اور پچھلی آیتیں لکھ دی ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ ان نعماء کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جو دنیا میں اس نے پیدا کر رکھی ہیں۔ وہ اس کے عباد یعنی ربانی قوانین کی اطاعت کرنے والوں کے لئے زینت ہو جاتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی چیزوں کے اکل و شرب میں تو لوگوں نے اسراف سے بچنا ہے۔ والّا باقی سب ان کے لئے حلال و طیّب ہے۔ اللہ پاک نے انسان پر تو فواحش حرام کر دیئے ہیں۔ ایسا ہی بغاوت اور باطل راہوں سے اور شرک سے روکا گیا ہے۔ لوگ ان باتوں کو بلا کسی وجہ یا دلیل کے اختیار کر لیتے ہیں۔ پھر ان کے مقدر شدہ پاداش کا بھی وقت آ جاتا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ انسان کی ہدایت کے لئے اپنے مرسل بھیج دیا کرتا ہے۔ وہ کلام الٰہی لاتے ہیں۔ جس پر چل کر انسان تقویٰ کی راہیں اختیار کر لیتا ہے۔ اور اپنی اصلاح کر کے ہمیشہ کے غم اور خوف سے بچ جاتا ہے۔ ہاں جو اس کلام الٰہی کی تکذیب کرتے ہیں۔ وہ ہمیشہ دوزخ میں جاتے ہیں۔ ان آیات میں اس وعدۂ آدم کا ذکر ہے۔ ان ہی مرسلوں کی طرف اشارہ ہے۔ جو تقویٰ اور اصلاح کی راہیں اپنے ساتھ لائیں۔ جو فواحش اور غیر حق امور کا علم لوگوں کو دیں اور جو بتلائیں کہ اسراف کیا ہوتا ہے۔ اور وہ طریق سمجھائیں کہ جس سے خدا کی نکالی ہوئی چیزیں زینت ہو جاتی ہیں۔ وہ یہ بھی سمجھائیں کہ عباد اللہ کون ہوتے ہیں وہ آیۃ اللہ

اپنے ساتھ لائیں جن پر چلنے کا نام تقویٰ اور اصلاح ہے۔ فی الجملہ یہ تو وہ رسول ہیں۔ جو دنیا میں شریعت لاتے ہیں۔ آیت کے معنے نشانی بھی ہے۔ کرامت۔ معجزہ۔ پیشگوئی بھی آیت اللہ ہیں۔ لیکن کیا پیشینگوئی یا معجزات بذات خود کوئی تقویٰ یا اصلاح کی راہ اپنے اندر رکھتا ہے۔ کیا ان خوارق سے فواحش یا بغاوت کا علم دنیا کو ہو جاتا ہے پیشگوئی تو صرف نبوت حقہ و مستقلہ کے ثبوت کا نشان ہے۔ وہ تو اس بات کا ثبوت ہے کہ۔ خدا بولا کرتا ہے۔ اس کے وجود سے حسب ضرورت خدا کے اس بولنے کا پتہ چلتا ہے۔ جو دنیا میں شریعت لایا۔ پھر ان آیات میں دو اور باتیں قابل غور ہیں اول یہ کہ جو ان آیات پر چلیں گے ۔ وہ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (۷ : ۳۵) کے مصداق ہوں گے۔ یعنی نجات ابدی اور جنت کے مالک ہوں گے۔ کیونکہ ایک جنتی کی حالت کو انہی الفاظ سے قرآن نے بار بار ظاہر کیا ہے۔ ایسا ہی اِن آیات کے مکذب دوزخ میں جائیں گے۔ اگر یہاں وہ لوگ مراد ہیں۔ جن پر کثرت سے امور غیبیہ ظاہر ہوتے ہوں۔ لیکن ان کے الہامات میں شریعت داخل نہ ہو تو پھر ہمیں سمجھ نہیں آتا کہ کس طرح کوئی شخص ان کو مان کر جنت اور نجات ابدی کا مستحق ہو سکتا ہے۔

نجات ابدی عمل کو چاہتی ہے۔ عمل شریعت کو چاہتا ہے۔ اسی طرح نار جہنم بد عملی سے پیدا ہوتی ہے۔ اور بد عملی سے مراد تکذیب شریعت ہے۔ لہٰذا مذکورہ بالا اقتباس قرآن میں تکذیب آیات سے مراد تکذیب شریعت ہے۔ اگر دنیا کی نجات اس امر پر منحصر ہوتی۔ کہ کسی شخص کے دعاوی کو بعض ایسے نشانات کی بنیاد پر قبول کر لیا جائے۔ جو اس سے سرزد ہوئے ہیں۔ جیسے آج اہل قادیان کہتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کا ماننا ایمان کے لئے ضروری ہے۔ وہی عیسائی عقیدہ ہے۔ یعنی ایک شخص کو اس کے دعاوی کے ساتھ قبول کر لو۔ اور مکتی مل جائے گی۔ اور اگر جنت کا حصول اور نار سے بچنا عمل چاہتا ہے۔ تو پھر يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِىْ (۷ : ۳۵) میں جن رسولوں کا ذکر ہے وہ صاحب شریعت ہیں۔ نہ کوئی ایسا انسان جو اپنی تکمیل نفس کے لئے کسی اور نبی کی شریعت پر کاربند ہونے کے لئے مجبور رہو۔

یہ دو آیتیں خاص کر اول بہائیوں نے جناب بہاء اللہ کے نبی بنانے میں پیش کیں۔ اور آج ان کے لٹریچر سے نکال کر متوسلان صاحبزادہ محمود احمد صاحب حضرت مرزا صاحب کی نبوت کے ثبوت

میں پیش کرتے ہیں۔ ابھی بہائیوں کی حیثیت متبعین صاحبزادہ صاحب سے بہت بہتر ہے۔ کیونکہ یہ آیات شریعت رسول کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ اور وہ شریعت محمدیہ کے بعد ایک اور شریعت جدید تجویز کرتے ہیں۔ جس کے متعلق وہ شیعہ صاحبان کی بعض کتب حدیث میں سے امام منتظر علیہ السلام کا صاحب شریعت ہونا دکھلا کر شریعت بہاءُ اللہ کی ضرورت دکھلاتے ہیں۔ خاتم النبیّین کی آیت اور اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (۵:۳) کی یہی آیت کی بھی جو تعبیر کرتے ہیں وہ اس تاویل رکیک سے کہیں بدرجہا بہتر ہے۔ جو ہمارے میاں صاحب قادیانی کی قلم سے نکلی ہیں۔ جس کے متعلق میں آگے چل کر کچھ لکھوں گا۔ سردست مجھے اصحاب قادیان کے متعلق کچھ کہنا ہے۔ جیسے کہ میں اوپر دکھلا چکا ہوں کہ بنی آدم کی طرف جن رسولوں کے آنے کا ذکر ہے۔ وہ اپنے ساتھ راہ ہدیٰ لاتے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب کا نہ یہ دعویٰ نہ ان کی تصنیف میں کوئی امر ونہی از قسم شریعت موجود ہے۔ اس لئے وہ ان آیات کے مصداق نہیں ہو سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اگر سلسلۂ نبوّت جاری رہا تو اس کی وجہ کوئی پوشیدہ نہیں جو وعدہ آدم کو دیا گیا وہ چاہتا تھا کہ ابن آدم کے ہاتھ میں ایک مکمل شریعت ہو جو ان تمام قوائے مخفیہ کی آبیاری کرے۔ جو انسان میں ودیعت شدہ ہیں۔ اسکی مستور استعداد دل کو بالفعل بنا کر تخم کو سرسبز اور مثمر درخت کر دے۔ میں یہاں اس امر پر بحث نہیں کرتا۔ کہ سابقہ شریعتیں کہاں تک اس مطالبہ کو پورا کر سکتی تھیں۔ اپنے وقت میں وہ سب کی سب مکمل ہوں گی۔ لیکن جس وقت قرآن نازل ہوا۔ اس وقت سابقہ کتب مقدسہ کُل کی کُل محرّف مبدّل یا نا قابل فہم حالت میں تھیں۔ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی (۲:۳۸) کا وعدہ کسی ہدایت کو چاہتا تھا۔ اس نے قرآن شریف کی شکل اختیار کی۔ ہم آج بھی کل مذاہب دیگرہ سے بڑی آسانی کے ساتھ فیصلہ کر سکتے ہیں۔ ہمیں قرآن سے پہلے کوئی کتاب مذکورہ بالا معنوں میں ایک مکمل ہدایت دکھلا دی جائے۔ ہم اس کتاب کے صاحب کو خاتم النبیّین تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن میں علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہوں۔ کہ میں نے کسی کتاب کو اس میزان میں پورا اترتے نہیں دیکھا۔ اسی طرح میں ان اصحاب سے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے بعد کسی بزرگ کو ان آیات زیر بحث کا مصداق مانتے ہیں۔ اور ایک نئی نبوّت تجویز کرتے ہیں۔ خواہ وہ حضرت مرزا صاحب ہوں یا ۔۔۔ اللہ۔ وہ دو باتیں ہم پر ثابت کر دیں ہمیں کسی سے

تعصب نہیں۔ ہم مان لیں گے۔ بلکہ اوّل الذکر تو ہمارے پیر و مُرشد ہیں انہیں ہم مجدد وقت مانتے ہیں۔ ہمیں یہ دکھلایا جاوے۔ کہ انسان میں کونسی ایسی استعداد باقی رہ گئی ہے۔ جو قرآن شریف کے زیر تعلیم نہیں آ سکی۔ یا اگر آئی ہے۔ تو قرآن شریف نے اس کی آبیاری کا پورا انتظام نہیں کیا اگر کسی نے کچھ قرآن شریف کی تشریح میں لکھ دیا تو وہ شریعت جدید نہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ اہل تشیعہ کی بعض کتب میں ایک نئی شریعت کا ذکر ہے۔ جو بنی ہاشم میں سے ایک جوان لائے گا۔ وہ لوگوں کو بلوائے گا۔ مگر اس کی کوئی نہ سنے گا۔ جیسے کہ ہم ان کی کتب احادیث یعنی اربعین اور عوالم میں پاتے ہیں۔ اسی طرح بحار الانوار۔ عوالم اور ینبوع میں علم کو ۲۷ حروف پر تقسیم کیا گیا ہے۔ جن میں سے دو حروف کا انکشاف آنحضرتؐ پر ہوا ہے۔ اور باقی پچیس حروف مہدی پر ظاہر ہونے والے ہیں۔ ہم ان باتوں پر کسی جرح کی ضرورت نہیں سمجھتے ہمیں یہ دکھلایا جائے۔ کہ اگر جناب بہاء اللہ امام منتظر ہیں۔ اور رجل من بنی ھاشم ہیں۔ جن پر کتاب اقدس وغیرہ بطور شریعت نازل ہوئی ہے۔ تو اس شریعت جدید نے کسی کمی کو پورا کیا۔ وہ کونسے نئے علوم ہیں۔ جو بانی فرقۂ بہائی دُنیا میں لایا۔ وہاں تو ان علوم کا وزن علوم قرآنیہ سے ساڑھے بارہ گنہ ہے۔ کیونکہ قرآن شریف تک صرف دو حروف ظاہر ہوئے۔ اگر بہائی کتب اپنے ہادی کو مہدی بنانا چاہتی ہیں۔ تو باقی پچیس حروف کا بھی پتہ بتاؤ۔ چلو بحث کی خاطر میں تسلیم کر لیتا ہوں کہ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى (۲: ۳۸) اور يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِىْ (۷: ۳۵) نبوت کا دروازہ کھلا رکھتی ہیں۔ اور خاتم النبیین یا اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (۵: ۳) والی آیات وقتی ہیں۔ جن کا مخاطب ہر وقت کا نبی ہو سکتا ہے۔ جیسے کہ بہائی بیان کرتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہو گیا۔ کہ جناب بہاء اللہ ان کے مصداق ہیں۔

بات تو دو حرفی ہے جس سے نہ صرف اس امر کا ہی فیصلہ ہو جاتا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین تھے۔ بلکہ یہ امر بھی طے ہو جاتا۔ کہ نزول قرآن شریف تک نبوت کا دروازہ بند نہیں ہو سکتا نبوت کی غرض اصلی قوائے انسانیہ کا نشو و نما ہے۔ اسی کو قرآن کریم نے فلح اور رجنت سے تعبیر کیا ہے۔ قرآن شریف سے پہلے ہمارے ہاتھ میں کوئی ایسی کتاب مقدسہ نہیں۔ جس میں انسان کی جسمانی اخلاقی اور

روحانی حالتوں کو سامنے رکھ کر ایک ہدایت کا کوڈ تجویز کیا ہو۔ جس میں وہ اوامر ہوں کہ جن کے اتباع میں انسان بہیمیت سے نکل کر معمولی اخلاق اختیار کر لیتا ہے۔ اور پھر ان ہی اخلاق سے اخلاق فاضلہ حاصل کر کے منازل روحانیت طے کرنے لگتا ہے۔ ایسا ہی یہ کتابیں کامل طور پر ان نواہی کا ذکر نہیں کرتیں کہ جن کی لاعلمی انسان سے ان امور کا ارتکاب کراتی ہے۔ کہ جس سے انسان بہیمیت چھوڑ نہیں سکتا۔ یا اگر بہیمیت اور سبعیت سے نکل بھی گیا تو معمولی اخلاق کے احاطہ سے اس کا قدم باہر نہیں جاتا۔ ان معاملات کے لئے میں قرآن شریف میں تکمیل دین اور اتمام نعمت پاتا ہوں۔ اسی لئے میں صاحب قرآن کو خاتم النبیین سمجھتا ہوں۔ جو شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی مقدس انسان کو صاحب شریعت یا ناطق منوانا چاہتا ہو۔ وہ کسی ایک جذبۂ انسانی کو لے کر اس کی آبیاری اور ربوبیت کاملہ کے سامان اپنی کتاب میں دکھلاوے۔ مجھے تو ایک بھی کتاب سابقہ ایسی نظر نہیں آتی۔ کہ جس میں انسان کے قویٰ اور جذبات کا کامل طور پر اشارہ بھی ہو۔ ان کی تہذیب۔ تعدیل۔ تنظیم تو امر دیگر ہے۔ ہاں گیتا میں ان باتوں کی طرف اشارہ ہے۔ جناب کرشنؑ تہذیب و تعدیل نفس کا نام ہی نجات ٹھیراتے ہیں اور یہ وہ علم ہے۔ جو نبیوں کو ملا کرتا ہے۔ لیکن پھر گیتا ان راہوں کا علم نہیں دیتی۔ کہ جس سے یہ تہذیب و تعدیل ہو سکے۔ بہیمیت متشکل باخلاقِ ستودہ ہو جائے۔ اور اخلاق روحانیت کا جامہ پہن لیں اس لئے جب تک قرآن شریف نہ آئے تب تک دروازہ نبوت مسدود نہیں ہو سکتا۔ قرآن شریف اگر کتب سابقہ کی طرح محفوظ نہ رہتا۔ یا قرآن شریف کی کامل عملی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سنن میں بطریق محفوظ نہ ملتی تو بالضرورت اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ کے وعدے کے مطابق کوئی نئی شریعت آتی۔ پھر اس امر کو چھوڑ کر کسی شریعت جدید کا مدعی جب تک ہم پر یہ ثابت نہ کر دے۔ کہ قرآن کریم میں فلاں امر رہ گیا ہے۔ اور قرآن کریم کا یہ دعویٰ لَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (۶: ۵۹) اور اس کا یہ کہنا کہ مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ (۶: ۳۸) یعنی ہر ایک چیز قرآن میں ہے۔ اور قرآن شریف نے کسی چیز کو نہیں چھوڑا۔ وہ باتیں جن سے شجر نفسِ انسانی کو آبیاری یعنی رطوبت پہنچتی تھی اور وہ باتیں جن سے یہ درخت خشک ہو جاتا یعنی یابس ان سب کا ذکر قرآن میں آگیا ہے۔ جب تک یہ دعوےٰ صحیح ہے۔ شریعت جدید ایک فعل عبث ہے۔ اور حکیم خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتی۔

روزوں کی تعداد میں کمی بیشی کر دینا۔ نماز کے اوقات ۔ طرز بدل دینا۔ قرآن شریف کے بعض احکام کو کسی تھوڑی سی کتر بیونت کے ساتھ دوسرے لباس میں پیش کر دینا۔ مسلمانوں کی بعض جدید امور قبیح کی اصلاح میں انہیں امر و نواہی کو ایک اور شکل میں پیش کر دینا۔ جو قرآن شریف میں پہلے سے موجود ہیں ۔ یہ شریعت جدیدہ نہیں ہو سکتا۔ پھر عجیب بات یہ ہے کہ یہ باتیں بہائی نبی نے نہیں کہیں ۔ بلکہ جناب عبدالبہا صاحب یا دوسرے لوگوں کی تجویز دادہ ہیں ۔

اسی طرح یہ دونوں گروہ یعنے بہائی اور اُن کے متبع یعنے میاں صاحب قادیان ایک اور آیت کو بھی پیش کر دیا کرتے ہیں۔ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (۲:۴) یعنی متقی وہ ہیں ۔ جو گذشتہ نبوّتوں پر ایمان لائیں ۔ نبوّتِ آنحضرت پر ایمان لائیں ۔ اور آنے والی نبوّت پر بھی ایمان لائیں ۔ اس آیت کو بہائی تو گذشتہ چوتھائی صدی سے پیش کر رہے ہیں ۔ اور ہمارے احباب قادیان کے ہاتھ یہ استدلال پانچ چھ سال سے آگیا ہے ۔ نادان یہ نہیں سمجھتے کہ سورہ بقرہ کی پہلی آیتوں میں اجمالی طور پر ان تمام باتوں کا ذکر کر دیا گیا ہے ۔ جو ایک متقی کے ایمان و عمل میں آکر اُسے مفلحون کی جماعت میں پہنچا دیتی ہیں ۔ ان باتوں میں جو ایک ضروری امر ہے ۔ وہ ایمان بالآخرت ہے ۔ یعنی روز جزا سزا یا قیامت کا ماننا۔ اب اگر بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (۲:۴) آخرت سے مُراد کوئی شریعت یا نبوّت جدیدہ ہے ۔ تو پھر جو ضروری جزو حصُول فلاح کی تھی وہ ذکر سے رہ گئی ۔ علاوہ ازیں نبوّت مُحمّدیہ یا نبوّت سابقہ شریعت متواتی ہیں ۔ جہاں تک حضرت مرزا صاحب کا معاملہ ہے وہاں کسی شریعت کا دعویٰ نہیں ۔ اور ہمارے بہائی دوست جس شریعت کی طرف اشارہ کرتے ہیں ۔ قرآن شریف کی موجودگی میں اس کی حاجت نہیں ۔ اس حقیقت کو خوبصورتی کے ساتھ اور کیسے مَاقَلَّ وَدَلَّ طریق پر حضرت مرزا صاحب نے اپنی اصلی حیثیت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے آپ مدعی ولایت ہیں ۔ اور ولی کی حیثیت ہونے میں آپ ظلی ۔ مجازی ۔ بروزی ۔ جزدی نبوّت کے صاحب اپنے آپ کو ٹھیراتے ہیں ۔ چنانچہ آپ نے اولیائے کرام کا جس مقدس جماعت میں وہ اپنے آپ کو گنتے تھے ۔ بالفاظ ذیل نقشہ کھینچا ہے ۔

"وایشان را رنگ انبیا دادہ مے شود و درحقیقت انبیا نیستند زیراکہ قرآن

حاجتِ شریعت را بکمال رسانیدہ است ۔ و دادہ نمی شوند مگر فہم قرآن "

(مواہب الرحمٰن صفحہ ۶۶ ۔ ۶۷)

حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ خدا کے ولی جن میں سے میں ہوں ۔ اور مخاطبہ اور مکالمۂ الٰہیہ سے مشرف ہوتے ہیں ۔ وہ نبی نہیں ہوتے ۔ ہاں انبیاء کے رنگ میں آتے ہیں ۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن نے تکمیل شریعت کر دی ۔ جس سے کسی شریعت مابعد کی ضرورت نہیں رہی ۔ یہاں ان الفاظ کا مقدس لکھنے والا نہ صرف یہی بتلاتا ہے ۔ کہ خدا کے ساتھ کثرت مکالمہ مخاطبہ کسی کو نبی نہیں بنا یا کرتا ۔ ایسا شخص نبیوں کے رنگ میں رنگین ہوتا ہے ۔ نبی صرف شریعت کی خاطر مبعوث ہوتے ہیں ۔ قرآن شریف نے شریعت کی تکمیل کر دی ۔ اس کے ہوتے ہوئے جب کسی شریعت کی ضرورت نہیں تو پھر ضرورت نبوت بھی کالعدم ہو جاتی ہے ۔ یہ ایک صریح منطق ہے ۔ ہمارے وہ دوست جو حضرت مرزا صاحب کے لئے حقیقی نبوت تجویز کر رہے ہیں وہ ان الفاظ پر غور کریں ۔ اور اس بات کو بھی سامنے رکھیں ۔ کہ یہ الفاظ اس کتاب کے ہیں ۔ جو اشتہار ایک غلطی کا ازالہ کے بعد تصنیف ہوئی ۔ جس اشتہار کے لکھنے کے وقت ان لوگوں کے خیال میں حضرت مرزا صاحب کو سمجھ آئی کہ وہ فی الواقع نبی تھے ۔ اور ان کا سوئے فہم تھا کہ وہ اس دن تک اپنی حقیقت کو نہ سمجھے خدا تو انہیں ہمیشہ نبی اور رسول ہی کہتا رہا ۔ لیکن وہ غلطی سے یہ لکھتے رہے کہ یہ سب باتیں حقیقت نہیں بلکہ مجاز ہیں ۔ ان کو سنہ ۱۹۰۱ء میں کہیں سمجھ آئی ۔ اور انہوں نے یہ اشتہار ایک غلطی کا ازالہ لکھا ۔ حضرت مرزا صاحب نے گویا اس اشتہار کے ذریعہ کسی اور کی غلطی کا نہیں بلکہ اپنی غلطی کا ازالہ کیا ۔ العیاذ باللہ من ھذا البھتان ۔ خیر یہاں صرف اسی قدر کہہ دینا کافی ہے کہ اگر اس اشتہار کے ذریعہ حضرت مرزا صاحب نے اپنا عقیدہ بدلا تو پھر اس اشتہار کے ایک عرصہ بعد کتاب مواہب الرحمٰن میں الفاظ مندرجہ بالا کیوں لکھے ۔ ایسا ہی کتاب حقیقۃ الوحی کے ساتھ جو استفتا شامل کیا اس میں الفاظ ذیل کیوں لکھے ۔ یاد رہے کہ اس استفتا کے مخاطب احمدی نہ تھے ۔ بلکہ غیر احمدی علماء تھے ۔ اور جو اس لئے مخاطب کئے گئے تھے ۔ کہ وہ استفتا کرنے والے کے عقاید کو دیکھ لیں ۔ اور پھر فتویٰ دیں کہ ان عقاید ساتھ کوئی شخص کافر ہو سکتا ہے یا نہیں ۔ میں یہاں پھر ان الفاظ کو لکھ دیتا ہوں ۔ یہ لوگ غیر احمدی علماء کے پاس جائیں ۔ کیونکہ فتوے طلب کنندہ

کے وہی مخاطب تھے۔ پھر ان سے دریافت کریں۔ کہ آیا ان الفاظ میں مُصنّف الفاظ مدعیٔ نبوت ہے یا نبوت کو ختم شدہ مانتا ہے۔ جس نبوت کا وہ خود مدعی ہے۔ وہ حقیقی ہے یا مجازی۔ وہ اصل ہے یا ظل وہ کامل ہے یا جُزو۔ اور یاد رہے کہ مجاز کے معنے حقیقت نہیں ہوتے۔ جیسا کہ علم سے ناآشنا ایک شخص نے لکھا ہے۔ اور بہتر ہے کہ تم حقیقت اور مجاز کے معنے بھی انہی غیر احمدی علماء سے دریافت کرو۔ کیونکہ فتوے طلب کرنے والے کا فرض ہے کہ وہ استفتاء میں وہ زبان وہ محاورہ وہ اصطلاح اور الفاظ کو اس مفہوم میں جو اس کے مفتیوں کو معلوم ہوں استعمال کرے۔ نہ وہ نرالا مفہوم جو آج ایک نادان نے تجویز کیا ہے۔ جس سے لغت اور محاورہ اپنی بیزاری ظاہر کرتا ہے۔

حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ :۔

"میری نبوت سے مُراد صرف کثرت مکالمہ و مخاطبہ ہے۔ اور یہ بات اکابر اہل سنت کے نزدیک مسلم ہے یہ ایک لفظی تنازعہ ہے۔ پھر اے اہل عقل و فطنت اس معاملہ میں جلدی نہ کرو۔ اور اگر اس امر سے یعنی کثرت مکالمہ سے زیادہ ایک رتی بھر بھی اگر دعویٰ ہو۔ تو پھر اس پر خدا کی لعنت ہے۔ (ترجمہ ضمیمہ حقیقت الوحی استفتاء صفحہ نمبر ۱۶)

ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔ اور قرآن کے بعد جو کتب سابقہ سے بہترین کتاب ہے۔ کوئی اور کتاب نہیں آئے گی۔ ایسا ہی شریعت محمدیہ کے بعد کوئی شریعت نہیں۔ اور اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے لفظ نبی میرے متعلق نکالا تو یہ تو ایک امر ظلی ہے۔ یعنی میری نبوت تو آنحضرتؐ کی نبوت کا سایہ ہے۔ اور یہ بات بھی آپ کی متابعت کی برکت سے ہے۔ اور جو کچھ مجھے ملا ہے یا جو کچھ مجھ میں خیر و خوبی ہے۔ یہ تو اسی نفس مقدسؐ کی طفیل ہے۔ اور خدا نے میری نبوت سے مُراد محض کثرت مکالمہ و مخاطبہ رکھا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر اگر کوئی چاہے یا کوئی اور چیز نفس تجویز کرے یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رسّی سے کوئی گردن باہر کرے تو اس پر لعنت ہے۔ بیشک ہمارے رسول خاتم النبیین ہیں۔ ان پر سلسلۂ

مرسلین ختم ہو گیا۔ اور آپ کے بعد کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ مستقل طور پر نبوّت کا دعوےٰ کرے۔ اور آپ کے بعد تو کثرت مکالمہ کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ اور میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ مجھے جو یہ مقام حاصل ہوا تو محض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی اتباع سے ملا۔ مجھے اللہ تعالےٰ نے نبی کہا۔ لیکن وہ تو ایک مجاز تھا نہ حقیقت (ترجمہ ضمیمہ حقیقت الوحی الاستفتاء صفحہ نمبر ۶۴)

یہ حضرت مرزا صاحب کے اپنے الفاظ ہیں جو ۱۹۰۵ء میں شائع ہوئے ہیں اور اسی کتاب حقیقت الوحی میں ہم جلد شائع ہوئے۔ کہ جس میں سے دو تین سطریں مختلف مقامات سے چُن کر غلو نے کچھ کا کچھ بنا دیا ان سطروں نے حضرت مرزا صاحب کے مذہب کو صاف کر دیا وہ ختم نبوّت کے قائل ہیں اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والے پر لعنت بھیجتے ہیں۔ وہ نبوّت کے نہیں ظلیّت نبوّت کے مدعی ہیں۔ اور اگر ان کے الہاموں میں کہیں لفظ رسول یا نبی آیا تو اس سے مراد مجاز ہے نہ حقیقت۔ اور یہ وہ باتیں ہیں۔ جو اسلام میں جائز ہیں۔ لہٰذا احمدی جماعت کے اصلی عقاید میں کوئی ایسی بات نہیں جس پر سلف صالحین میں سے بعض کا ایمان نہ ہو۔ اس لئے اس جماعت کا وجود بھی اسلام میں کسی فرقہ کو پیدا کرنے کا موجب نہیں ہوا۔ ہاں جو خَاتَمُ الْمُرْسَلِیْن کے بعد سلسلہ مرسلین کو قطع شدہ نہیں سمجھتے۔ اور یہ یاد رہے کہ یہاں حضرت مرزا صاحب لفظ خَاتَمُ النَّبِیّٖن نہیں استعمال کرتے جس کے لئے غلو اور جہالت نے نئی نئی تاویلیں تجویز کی ہیں۔ یہاں آپ لفظ انقطاع لکھتے ہیں جس سے قطع نبوّت مُراد ہے۔ الغرض جو ان کی نبوّت کو حقیقی طور پر تسلیم کرتا ہے۔ وہ حضرت مرزا صاحب میں سے نہیں۔ وہ مُحَمّدیِ میں سے نہیں وہ اسلام سے باہر ہے وہ کسی نئے مذہب کا ماننے والا ہے۔ اس کو ہم بہائیوں کی طرح خارج از اسلام قرار دیکر یہ کہتے ہیں کہ ۔

اسلام میں کوئی فرقہ نہیں

ایک ضروری خط بنام
(حاذق الملک حکیم محمد اجمل خاں صاحب دہلوی)

میرے مکرم و معظم حاذق الملک۔ اَلسَّلامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ میں آپ کے بروقت عنایت نامہ کا از حد مشکور ہوں۔ اور جس امر کا آپ نے اشارہ فرمایا ہے۔ اس پر تفصیلی عرضداشت کرنی چاہتا ہوں "میں کس اسلام کو مغربی دنیا میں پیش کرتا ہوں یا آیندہ کروں گا" مجھے اس سوال نے خود حیرت میں ڈال رکھا ہے جو بعض اسلامی طبقات میں اٹھایا گیا ہے۔ گویا اسلام بھی ذو وجہین ہیں۔ جو مجھ سے مطالبہ شروع ہوا۔ مکرم! میں نے کل مذاہب مروجہ کا ایک حد تک مطالعہ کیا۔ مجھے کم و بیش کل اسلامی جماعتوں کا بھی علم ہے۔ اور میری یہ تحقیق ہی مجھے اس امر پر آمادہ کرتی ہے۔ کہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ اور قرآن مجید کو خاتم الکتب مانوں۔ کیونکہ جہاں دیگر بانیان مذاہب مختلفہ کی پسماندہ تعلیم نے ان کے مذاہب کو نہایت اندھیرے اور تشکک حالات میں ڈال رکھا ہے۔ مجھے قرآن شریف ہی ایک ایسی کتاب نظر آتی ہے۔ جس نے اپنے مذہب کو ایسا بیّن ایسا صفا اور ایسا مشرح کر کے پیش کیا ہے۔ کہ آج قرآن کا ماننے والا اصول اسلام میں کسی اختلاف کا موقعہ اور کسی تفریق کی گنجائش نہیں پاتا۔ اگر اسلام بھی اور مذاہب کی طرح تاریکی میں ہوتا۔ اگر اسلام کے اصول حقہ بھی موجب تفرقہ ہوتے۔ اگر قرآن کریم کی تعلیم بھی مذہب حقہ کے مفہوم میں کسی اختلاف کا موجب ہو سکتی۔ تو نہ میں قرآن کریم کو خاتم الکتب اور نہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو میں خاتم النبیّن مانتا۔ وہ مذہب اسلام جو اولاً آدمؑ کو تعلیم ہوا۔ اور پھر مختلف انبیاء نے اس کی بتدریج تکمیل کی۔ جس کی شکل ہر ایک نبی کے بعد بگڑ گئی۔ اور پھر از سر نو تعلیم کی ضرورت ہوئی۔ پھر اور نبی آئے۔ صرف اس لئے کہ اختلاف اور شکوک کو مٹا دیں۔ اگر اسلام کی وہ مکمل شکل جس نے نبی کریمؐ کے مبارک ہاتھ پر اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (۵: ۴) کا اعزاز حاصل کیا۔ آپ کے بعد بھی موجب تفرقہ اور فرقہ بندی ہو سکتی ہے۔ تو پھر ایک نبی کی

ضرورت ہے۔ جو ان فرقہ بندیوں کو مٹائے۔ اور اختلاف کو دور کرے۔ میں آنحضرت صلعم کو خاتم النبیّن اسی صورت میں مانوں گا۔ اور میں ایسا مانتا ہوں۔ کہ ان کے بعد مذہب اسلام کسی فرقہ بندی کا متحمل نہ ہو۔ اور میرا یہی ایمان ہے۔ آہ زمانہ کو کیا ہو گیا۔ کیا آنحضرت صلعم کی بعثت کا ایک بھاری باعث اس اختلاف کو مٹانا نہیں تھا۔ جو خدا کے دین سمجھنے میں مختلف مذاہب نے ڈال رکھا ہے۔ وَمَآ أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا وَهُدًى وَّرَحْمَةً

(۱۶ : ۶۴) ترجمہ: (اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم) ہم نے تو قرآن شریف تم پر اسی لئے نازل کیا۔ کہ ان لوگوں کے اختلاف مٹا کر ان کے لئے ہدایت اور رحمت ہو جاؤ۔ کیا یہ آیت صحیح نہیں حیف ہے مسلمانوں پر جو یہ عقیدہ رکھیں کہ اسلام کے اندر بھی باہمی اختلاف قرآن کریم کی تعلیم کے ماتحت ہو سکتے ہیں۔ اسی ایک آیت نے مجھے نبی مکرم کا خاتم النبیین ہونا منوایا۔ میں دیکھتا ہوں۔ کہ اوّل مختلف مذاہب میں آپس میں اور پھر ایک مذہب میں تحکمی طور پر خطرناک اختلافات ہیں۔ مختلف مذاہب کے ماتحت فرقے اس قسم کا اختلاف ایک دوسرے سے رکھتے ہیں۔ کہ ان کو جُدا گانہ مذہب کہنا درست ہے۔ اب اگر اسلام کے اندر بھی فرقے ایک دوسرے سے ایسا ہی اختلاف اور تفریق رکھتے ہیں۔ تو معاذ اللہ یہ آیت غلط اور نبی کریم کا خاتم النبیّن ہونا صحیح نہیں۔ میں حرام اور کفر سمجھتا ہوں۔ اگر میں یقین کروں۔ کہ اسلام کے مختلف فرقہ جات حقیقی تعلیم اسلام میں ایک دوسرے فرقہ سے اس طرح مختلف ہیں۔ جیسے کہ مختلف مذاہب کے ماتحت فرقہ جات۔ فرقہ کا جو مفہوم ہندو مذہب میں اور عیسائی مذہب میں ہے۔ اور جو وہاں مابہ الامتیاز ہے۔ اس کے مقابل مجھے یہ کہنے کا حق ہے۔ کہ میں کہوں کہ۔

اسلام میں کوئی فرقہ نہیں

یہ میرا مذہب جس پر میں ہمیشہ سے قائم ہوں۔ اور یہ وہ امر ہے۔ جس کو میں نے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں یہاں آنے سے کئی سال پہلے اعلان کیا۔ یہ ہے میرا وہ حربہ جو میں نے دیگر ادیان کے برخلاف ہندوستان میں اور ایسا ہی یہاں آچلایا۔ میں نے عیسائیوں سے مطالبہ کیا ہے۔

اور ابھی ایک مضمون زبردست اپریل کے اسلامک ریویو کے لئے میرا نصب العین ہے۔ کہ خدا کا مذہب ایک ہی ہوتا ہے۔ خدا کی مرضی کا اظہار ایک ہی رنگ میں ہو سکتا ہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ عیسائیت کے ہر ایک فرقہ کا مذہب خدا کا صحیح مذہب نہیں ہو سکتا۔ صرف ایک ہی ہو گا۔ پھر اس امر کا کون فیصلہ کرے۔ کہ کون سا فرقہ عیسائیت میں سچا ہے۔ اور یہ اختلاف تیسری صدی میں عیسائیت میں پیدا ہو گیا تھا۔ اب اگر خدا اپنی مرضی کا اظہار ہمیشہ پیغمبروں کے ذریعہ کرتا رہا۔ اور مسیح سے پہلے متواتر پیغمبر اختلافات مٹانے کے لئے جلد جلد آتے رہے۔ تو کیوں مسیح کے بعد خدا پیغمبر بھیج کر اس اختلاف کو نہ مٹاتا جیسے کہ آیت بالا سے ظاہر ہوتا ہے۔ اب جو شخص پانچسال سے کامیابی کے ساتھ یہ ایک حربہ ہندوؤں اور عیسائیوں کے خلاف چلا رہا ہے۔ جس کا ان سے کوئی جواب نہیں بن سکا۔ کیا اس کا اپنے مذہب کے متعلق یہ عقیدہ ہو سکتا ہے کہ اس کے ماتحت بھی فرقہ جات ایسے اصولی اختلافات رکھتے ہیں۔ میرے مکرم آپ طبیب ہیں۔ اور حاذق الملک ہیں۔ کیا میں مجنون ہوں۔ کہ میں خود ہی یہ حربہ اوروں پر چلاؤں۔ اور خود ایسے امور کا قائل ہوں یا ان کا مبلّغ۔ کہ جن سے میں خود اپنے ہی حربہ کی زد میں آجاؤں۔ میں یہ امر کسی مصلحت وقت سے نہیں کہتا۔ کہ میں یورپ میں ہوں۔ اور وہاں ہمیں فرقہ بندی کی بحث نہیں کرنی چاہیئے میں ایسی مصلحتوں کا نام منافقت رکھتا ہوں۔ نہیں نہیں میرے نزدیک اسلام میں کوئی فرقہ نہیں کل لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ پڑھنے والے میرے نزدیک مسلمان۔ ہاں ایمان کے مدارج ہیں۔ تکمیل ایمان مختلف سلوک کے راستہ چاہتی ہے۔ اور مختلف سالکوں کی ضرورت پیدا کرتی ہے۔ اور اس طرح ایمان میں ناقص اور کامل کی تفریق ہو جاتی ہے۔ اور بس۔ و الّا اصول اسلام۔ ارکان اسلام تعلیم اسلام سب ایک اور ہر ایک جگہ ایک اور کم از کم میرے نزدیک کوئی فرق نہیں۔ میں یہاں اسلام اور کلمۂ توحید سکھانے اور تبلیغ کرنے آیا ہوں۔ سالک میں خود نہیں۔ اور نہ سلوک کے منازل طے کرنے کی اہلیت رکھتا ہوں۔ یہاں تو ساری شریعت کے منازل طے کرنے کے لئے ایک دو نسلیں چاہئیں۔ کس کی طریقت اور کہاں کے منازل۔ بچہ خالی ماں کی چھاتیوں پر ابھی برسوں پرورش پانے کے قابل ہے۔ اور ہندوستان میں تفحص ہو رہی ہے کہ بے دانتوں کے بچہ کے لئے کمال الدین پلاؤ یا زردہ بریانی یا مزعفر یا دال روٹی لایا گیا۔

تجویز کر رہا ہے۔ حیف ہے ہندوستانی مسلمانوں پر۔

اگر در خانہ کس است حرفے بس است

یہ آپ سمجھ لیں کہ یہاں صرف اس ملک میں نہیں بلکہ کل غربی دُنیا میں جو فرقہ کی بحثوں میں اس وقت پڑے گا۔ وہ میرے محاکمہ اور رائے میں (اَلْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ) اسلام کو نقصان پہنچا دیگا یہاں کی کودن طبع قوموں کو جن سے مجھے پالا ہے کون سمجھا دے کہ اسلام میں وہ فرقے نہیں جو تمہارے ہاں ہیں۔ تمہارے ہاں اصولاً اختلاف ہے۔ ہمارے ہاں اصول ایک ہے۔ میں تو ہندوستان میں ہی اس عقیدہ پر محکم تھا۔ لیکن مجھے یورپ کے سفر نے اس پر اور محکم کر دیا۔ آپ نے پیرس کی مذہبی کانفرنس کا حال سنا ہوگا۔ یہ کانفرنس پچھلی جولائی میں اس لئے جمع نہ تھی۔ کہ مختلف مذاہب کے خیالات سُنے اور غور کرے۔ بلکہ اس کے ارکان مذہب مُرّوجہ غرب کی صورت سے بیزار ہو کر کسی نئے مذہب کی تلاش میں اور اس کے اصولوں پر غور کرنے کے لئے جمع ہوئے تھے۔ اور آئندہ بھی ہوں گے۔ میں نے اُن وجُوہ کو بھی مغربی علمار کی زبانی برابر چار دن پیرس میں سُنا۔ جنہوں نے انہیں مروجہ عیسائیت سے بیزار کر رکھا ہے۔ ان میں ایک بڑی بھاری وجہ عیسائیت کی موجودہ فرقہ بندی تھی۔ پھر آپ نے شاید لارڈ ہیڈلے بالقابہ کے اس نادر مضمون کو پڑھا ہوگا۔ جو لارڈ موصوف نے بعنوان "میں مسلمان کیونکر ہوا" یہاں کے وقیع اخباروں میں لکھا۔ انہوں نے اپنی بھاری وجہ بیزاری از عیسائیت فرقہ بندی بتلائی ہے۔ انہوں نے اسلام کے محاسن میں یہ لکھا ہے کہ اسلام ان تفریقوں سے آزاد ہے کیا مزے کی بات ہے۔ کہ لارڈ ہیڈلے تو اسلام کا فرقوں سے پاک ہونا۔ اس کا ایک حسن بیان کرے اور بالمقابل یہاں کے پادری لارڈ موصوف کو جواب دیں۔ کہ آپ کو اسلام کے فرقوں کا علم نہیں۔ اس لئے آپ لکھتے ہیں۔ اور عین ایسے موقعہ پر جب یہ بحث لارڈ موصوف اور پادریوں میں چل رہی ہو ہندوستان سے آواز اٹھے کہ کمال الدین کس فرقۂ اسلام کی تعلیم کر رہا ہے۔ آہ! کیا موقعہ شناسی اور دُور اندیشی مسلمانوں میں پیدا ہو گئی ہے۔ اور پھر عجیب تر یہ کہ میری ذات اور میرا طریق تو اس سوال کا کسی صورت میں متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ میں تو ہندوستان میں اپنے طریق تبلیغ کے لئے یہاں آنے سے بیشتر ڈنکے کی چوٹ مشہور تھا۔ پھر آج میری زیر ادارت پانصد صفحے اسلامک ریویو کے

نکل چکے ہیں۔ جن میں سے چار صد صفحے میرے اپنے لکھے ہوئے مضمون ہیں۔ کیا ان لوگوں کو اتنی سمجھ نہیں کہ میں نے ان چار سو صفحوں میں کس اسلام کو پیش کیا ہے۔ مکرم بندہ! آپ کے خدمت میں بھی ریویو آتا ہے۔ اور آپ کے نوازشنامہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آج تک اسلامک ریویو میں جس نہج پر اسلام کو پیش کیا گیا ہے۔ وہ آپ کو ازبس پسند ہے۔ یہی وہ اسلام ہے۔ جس پر میرا ایمان ہے۔ یہی وہ اسلام ہے جو میں نے قرآن و حدیث میں دیکھا۔ یہی وہ اسلام ہے جو میں نے اپنے مرشد حضرت مرزا صاحب امام مغفور علیہ الرحمۃ سے پڑھا اور سیکھا۔ اور یہی وہ اسلام ہے جس کی ترجمانی میرا قلم اور زبان کر رہا ہے۔ اور یہی وہ اسلام ہے جس کو میں آیندہ ایسے طریق پر پیش کروں گا۔ جس طرح میں نے اپنی تبلیغ کا ڈھنگ رکھا ہے۔ میں اس کو بدلنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ اسے بدلنا یا مجھ کو اس طریق سے بدلانے کی کوشش کرنا گویا مجھ کو اس طریق سے بدلنا ہے۔ جس پر میری فطرت واقع ہوئی ہے میں کیا کروں میں اپنی فطرت سے مجبور ہوں مجھکو کسی کی مالی امداد میرے طریق سے بدل نہیں سکتی بیشک میں ایک پختہ کار احمدی ہوں اور فطرتًا اس امر کو چاہتا ہوں۔ کہ دنیا میں احمدیت پھیل جائے۔ لیکن میری احمدیت کا مقدم حصہ یہی ہے جو میں نے اسلامک ریویو میں تبلیغ کیا۔ اور جس سے کسی غیر احمدی نے بھی آج تک اختلاف نہیں کیا لوگوں نے دراصل احمدیت کو سمجھا ہی نہیں۔ اس لئے میں اس عریضہ کے ذریعہ آپ کے خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ اور میں چاہتا ہوں۔ کہ اس تحریر کو آپ کسی اخبار میں بھیج دیں۔ کہ میں کسی روپیہ کے لالچ میں نہ کوئی اقرار کرتا ہوں نہ اعلان۔ میرا طریق عمل اور میرا اسلام جس کی تبلیغ کا میں عاشق ہوں اگر دیکھنا ہو تو اسلامک ریویو ۱۹۱۳ء کا مطالعہ کرو۔ میرا طریق ضمیر فروشی نہیں۔ میں اسی طریق کو جاری رکھوں گا۔ جس پر میں آج تک قائم ہوں کسی کو پسند ہو تو میرے ساتھ اس کار خیر میں شریک ہو۔ والا مجھے میرے حال پر چھوڑ دے۔ اور میرے حق میں دعائے خیر کرے۔ رہا یہ کہ میرا پیر (خدا ان پر اپنے خاص فضل کرے) کیا لکھتا ہے۔ سو شاید آپ اس امر سے واقف ہیں۔ کہ میرے آقا اس فنڈ کے سرپرست ہیں۔ جو اشاعت اسلام کے لئے مشترک احمدی اور غیر احمدی احباب نے کھولا ہے۔ ان کی سرپرستی ہی کہتی ہے کہ وہ مغرب میں تبلیغ اسلام کو ان فرقہ بندی قضایوں سے (اگر کوئی ہے) پاک رکھنا چاہتے ہیں۔ پھر جب لاہور کے ایک اخبار والے نے جس کی ذاتی کاوشوں نے اسے یہاں

کی تبلیغ حقہ کا دشمن بنا رکھاہے۔ محض چلتے کام میں روڑا اٹکانے کے لیے اور یہاں تفریق پیدا کرنے کے لیے لندن میں آکر نمازوں میں تفریق کا سوال شروع کر دیا۔ اور میں نے دیکھا کہ اسکی تحریریں یہاں کے طلباء پر اثر کرنے لگیں۔ اور جمعہ کی نماز میں احمدی اور غیر احمدی کا سوال پیدا ہونے لگا تو میں نے فی الفور حضرت کے خدمت میں قادیان لکھا۔ انہوں نے یہ خیال کر کے کہ خط کا جواب لندن میں پندرہ دن کو پہنچے گا۔ بذریعہ تار مجھے اطلاع دی۔ کہ نماز میں اس تمیز کو اڑا دیا جائے۔ اس کے بعد ان کا خط آیا جس میں آپ لکھتے ہیں۔ کیونکہ وہاں کفر کا کوئی فتوے نہیں۔ اس لئے آپ نماز پڑھ لیں۔ جب وہاں بھی فتوے ہوگا۔ تو دیکھا جاوے گا۔" مولانا شبلی صاحب نے مجھے ایک خط میں لکھا کہ تم احمدی غیر احمدیوں سے نمازوں میں کیوں تفریق کرتے ہو۔ اس موقعہ پر مجھے حضرت مرزا صاحب قدس سرہٗ کا ایک جواب باستفسار میاں فضل حسین بیرسٹرایٹ لا یاد آگیا جو امام مغفور نے وفات سے ہفتہ عشرہ پہلے دیا۔ اور قادیان کے اخبار بدر کے کالموں میں چھپ گیا۔ اور وہ یہ ہے کہ۔

"ہم پر کفر کا فتویٰ علماء نے لگایا۔ اب اگر علماء اسلام اعلان کر دیں۔ کہ یہ کفر کا فتویٰ جھوٹا تھا۔ اور یہ فتویٰ کفر دور کر دیا جائے۔ تو میرے مرید نماز میں غیر احمدیوں کے شریک ہو سکتے ہیں"

مولانا شبلی اور دیگر خیر خواہ جو اس تفریق کو اڑانا چاہتے ہیں۔ وہ اس کفر نامہ کو باطل قرار دیکر احمدیوں اور غیر احمدیوں کو ایک مسجد میں جمع کر سکتے ہیں۔ یہی منشا میں نے حضرت آقا مسیح موعودؑ اور حضرت آقا مولانا حکیم نورالدین خلیفۃ المسیح کی سمجھی ہے۔

بہرحال جو اولے العزم انسان یورپ میں تبلیغ اسلام جیسے اہم امر کو سامنے رکھ کر اپنے مرید کو غیر احمدی کے پیچھے نماز کی اجازت لندن میں دیتاہے۔ اور جسکو فساد کے مٹا دینے کا یہاں تک خیال ہے۔ کہ خط پڑھتے ہی تار بھیجتا ہے۔ اور جس پر اس کے مریدوں کا یہاں عمل بھی ہے۔ اس پر یہ الزام دینا کہ وہ مجھے فرقہ بندی کی تعلیم دیتاہے۔ یہ صرف خوش فہمی ہے۔

میں آخر میں پھر عرض کرتا ہوں۔ کہ عام مسلمان تو اسلامک ریویو کو سمجھ نہیں سکتے۔ لیکن میرے لیکچر تو کل ہندوستان میں ہوئے۔ دس دس ہزار کے مجمع میں ہوئے۔ کئی ہزار کے ایک مجمع کے پریذیڈنٹ

تو آپ بھی تھے۔ پھر آپ نے مجھے کس اسلام کو پیش کرتے دیکھا۔ آیا وہ وہ اسلام نہ تھا۔ جس کو آپ نے خود پسند فرمایا۔ اور بیحد تعریف فرمائی۔ یہی وہ اسلام ہے۔ جو میں نے اپنے پیارے مرشد حضرت مسیح سے سیکھا۔ اور وہی اسلام میں یہاں پیش کرتا ہوں اور کروں گا۔ جو طرز میرے لیکچروں کی ہندوستان میں تھی وہی یہاں ہے۔ اور میں اسی پر قائم رہنا چاہتا ہوں۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

اس لیے میرے گذشتہ ڈیڑھ سال کا کام جو مغرب میں ہوا۔ اور تین سال کا کام جو ہندوستان میں ہوا۔ اس کے لیے وہ قابل غور تھا۔ میں اپنی خوشی سے اور اس کو صحیح سمجھ کر اس طریق پر چلتا ہوں اس سے کسی کو اتفاق ہو یا نہ ہو۔ میں اس کا ذمہ وار نہیں اور بحمد اللہ میرا ظاہر و باطن یکساں ہے میرا یہ ایمان ہے کہ جب میں نے اعلائے کلمۃ اللہ جیسے نازک معاملہ میں اپنے سیدھے سادے طریق اور ظاہر باطن کی یکرنگی کو چھوڑا۔ اس دن خدا کا ہاتھ مجھے اس کام سے الگ کر دے گا۔ اور میری جگہ وہ آوے گا۔ جو اس کام کا اہل ہوگا۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ۔ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ۔

خواجہ **کمال الدین** از مسجد ووکنگ

از پیغام صلح جلد ۱ مورخہ ۱۲ مارچ و ۱۵ مارچ ۱۹۱۴ء نمبر ۱۰۲-۱۰۳

طباعت ۔ پیراماؤنٹ لیتھو اینڈ آفسیٹ ورکس، ۱۳۔ میونسپل انڈسٹریل اسٹیٹ ۔
کے، کے، مارگ جیکب سرکل بمبئی نمبر ۱۱ ۔

طابع و ناشر

دار الاشاعت کتب اسلامیہ بمبئی

۱۷۔ مولانا آزاد روڈ جیکب سرکل بمبئی ۴۰۰۰۱۱ ۔